قسط نمبر 2

دل کے دریچے

صدف آصف

اماوس کی گھن گھور تاریکی کے ساتھ ساتھ اذیت انگیز گھٹن بڑھ رہی تھی، سرد تیز ہواؤں اور درختوں کی شاخوں کے تال میل سے اٹھتی، سرسراہٹ نے خان ہاؤس کے در و بام سے ٹکرا کر فضاء کو مزید غمگین بنا دیا تھا۔ یوں محسوس ہوا جیسے اداسی نے یہاں کے پرسکون ماحول کو بدل کر رکھ دیا ہو۔ کم از کم ان سب کے احساسات تو ایک ہی نہج تک جا پہنچے تھے۔ ابرار خان، سفینہ، ریحانہ اور فائز اپنے اپنے کمروں میں جاگ رہے تھے۔ ایک عجیب سی وحشت نے انہیں اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔

اسی گھر کے ایک کمرے میں سائرہ بھی تھیں، جو سب کا چین اڑانے کے بعد خود بڑے سکون سے خراٹے لیتے ہوئے محوخواب تھیں۔ جانے کیوں نفرت نے دل پر ایسا پنجہ گاڑا کہ ان کی ساری سوجھ بوجھ، عقل مندی اور انسانیت مٹی کا ڈھیر بن کر بکھر گئی۔ وہ تو انا کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنی دلوں کو اجاڑنے کا کام بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہی تھیں۔ دوسروں کی آنکھوں کو آنسو بخشنے والے، اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ کسی کو اشکوں کے سیلاب کی طرف دھکیلنا بہت آسان کام سہی تب بھی مشکل اس وقت آن پڑتی ہے، جب وہ آنسو، پلٹ کر خود اپنی آنکھوں میں آسماتے ہیں، کیوں کہ یہ تو ایک قرض ہے، جو لوٹ کر ضرور آتا ہے۔ آنکھ سے بہنے والے آنسوؤں کی قدر بھلے دن بہ دن کم ہوتی جارہی ہو، یا وقت کے میزان میں چاہے آج سائرہ جلال کا پلڑا بھاری ہو مگر کل ان سے بھی حساب کتاب لیا جاسکتا ہے، کیوں کہ یہ ہی قدرت کا انصاف ہے۔

فائز گھنٹوں ذہنی طور پر غیر موجود اور غائب ہوجانے اور بے مقصد اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد جب گھر لوٹا تو دفعتاً ساری دنیا سے بڑی اکتاہٹ اور بےزاری محسوس کرنے لگا، شرٹ پسینے سے تربتر ہو کر جسم سے چپک گئی۔ پھر سمجھ میں نہ آنے والی کیفیت اور جھنجلاہٹ، اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں دبائیں۔ وہ سفینہ کی راہ میں بچھائے گئے سارے کانٹے چن لینے کی سعی میں مبتلا رہنے کے باوجود ہر بار ناکام رہ جاتا ہمیشہ اس کے سکون کی وجہ بننے کا خواہش مند دکھ دینے کا سبب بن جاتا، اس بار بھی ایسا ہی ہوا۔ اپنی سفینہ کو خوش رکھنے کی کوششوں میں ہلکان اس پر جان لٹادینے کی خواہش رکھنے والا محبوب ماں کی چلتی ہوئی زبان کو روک نہ سکا۔ اگر کوئی دوسرا ایسی بات کرتا تو شاید وہ مرنے مارنے پر تل جاتا مگر سامنے ماں کھڑی تھی، انہیں سمجھا ہی سکتا تھا۔ جب وہ نہ مانی تو اسے بھی مصلحتاً خاموشی اختیار کرنی پڑی۔

"ہماری محبت ایک دوسرے کی خوشی کا ساماں بننے کی جگہ اذیت بنتی جارہی ہے۔ ڈرتا ہوں کبھی بات اس حد تک نہ چلی جائے کہ ساتھ رہنے والوں کے دلوں اور گھر کے بیچ بھی دیوار کھڑی ہوجائے۔" ایک نئے اندیشے نے سر اٹھایا۔ اس نے اپنے گھنے بالوں کو مٹھی میں جکڑ لیا۔

غم اور بےبسی کی کیفیت اس سے ایسی جڑی کہ وہ شدید سر درد میں مبتلا ہو کر تڑپنے لگا۔ کچھ اور نہ سوجھا تو واش روم میں جاکر چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے تولیہ سے منہ پونچھتے ہوئے تنے اعصاب کو پرسکون کرنے کی کوشش بھی کی مگر سب بے کار گئیں۔ کسی پل چین میسر نہیں آیا۔

''ممانے سفینہ اور میرے بارے میں ایسا سوچا بھی کیسے؟'' وہ جتنا سوچ رہا تھا اتنا ہی الجھتا چلا جا رہا تھا۔ جن ہاتھوں نے اسے دنیا میں سر اٹھا کر جینا سکھایا وہ ہی اسے دکھوں کی گہرائیوں میں دھکیلنے کی وجہ بنے ہوئے تھے۔

''یہ کیسی مشکل پیش آئی کہ میں ایک بھنور میں پھنس کر رہ گیا۔ ایسا نہ ہو کہ سفینہ مجھ سے بہت دور چلی جائے۔'' اندیشوں نے فائز کے دل کو ٹٹولا۔

وقت بھی کبھی کبھی کیسے کھیل دکھاتا ہے بچپن سے فائز کی آنکھوں میں ایک آنسو برداشت نہ کرنے والی ماں آج اس کے دکھوں کی وجہ بن گئی۔

❁......❁......❁

ہر وقت ہنسنے مسکرانے والی زیست کے جھمیلوں سے آزاد سفینہ بہزاد جس کی چہکار سے خان ہاؤس میں زندگی دوڑتی تھی گھٹنوں میں منہ دیے اداس بیٹھی تھی، اس کی سنہری گہری آنکھوں سے نیند بری طرح سے روٹھ گئی تھی شہابی رنگت میں زردیاں سی گھل گئیں اور بھولے بھالے چہرے پر نا کردہ گناہ اور ندامت کی پرچھائیاں منڈلانے لگیں۔

''میں نے اتنی بڑی غلطی تو نہیں کی جس کی مجھے ایسی کڑی سزا دی گئی۔'' سفینہ نے ایک بار پھر ٹوٹے دل کی کرچیاں سمیٹتے ہوئے خود کو تسلی دی۔

وہ پہلے سے زیادہ ناخوش اور مضطرب ہوگئی تھی۔ اس بار تو ویسے بھی سائرہ نے حد کردی تھی لفظوں کے وہ تیر چلائے کہ جس سے سفینہ کے ساتھ ساتھ ریحانہ کا دل بھی چھلنی ہوگیا۔

''فائز آپ کا ساتھ ہونے کے باوجود میں دن بہ دن تنہا اور تنہا ہوتی چلی جا رہی ہوں۔'' سفینہ نے پہلو بدل کر آنسوؤں کی باڑ کو ہتھیلی سے روکنے کی کوشش کی جو آنکھوں سے امڈی پڑ رہی تھی۔

وہ کمرے میں بے مقصد ٹہلتی رہی۔ آخر تھک ہار کر بستر پر سیدھی لیٹ گئی خیالات کی ایک بوچھاڑ سی تھی جو نیند کی راہ میں حائل ہونے لگی۔ سوچتے سوچتے سر میں دھمک سی اٹھنے لگی وجود میں بے چینی بڑھتی چلی گئی مگر کوئی ایک حل بھی نہ سوجھا۔

''یہ آنسو اس وقت زیادہ تکلیف دیتے ہیں جب کوئی اپنا دکھ پہنچائے۔'' اسے تو یہ سوچ سوچ کر رونا آ رہا تھا کہ تائی اماں نے تو جو کہا سو کہا اور پہنچ کر ماں نے بھی اسے وہ سنائیں کہ اس کے چودہ طبق روشن ہوگئے۔ ریحانہ کو جٹھانی کی باتوں سے زیادہ سفینہ کی بے پروائی نے دکھ پہنچایا جوان کا مزاج پہچاننے کے باوجود فائز کی گاڑی میں جا بیٹھی اگر منع کردیتی تو کم از کم ماں کا سر تو اونچا ہو جاتا۔

سفینہ کا حلق خشک ہونے لگا تو اٹھ کر پاس رکھے جگ سے ایک گلاس بھر کر پانی پیا مگر پیاس ایسی کہ بجھنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ ڈھلتی رات کے ساتھ طبیعت مزید بوجھل ہوتی چلی گئی۔ ایک عجیب سی بیزاریت تھی جو پورے وجود کو اپنے لپیٹے میں لیے ہوئے تھی۔ اپنے آپ سے پیار کرنے والا فائز اب جھوٹا لگنے لگا سفینہ اس کی سچی محبت کو ایک مصنوعی عمل سے تعبیر کر بیٹھی۔

''ٹپ.....ٹپ.....ٹپ۔'' کی آواز پر کھڑکی سے جھانکا تو باہر برسات ہوتی دکھائی دی اور اندر اس کا تکیہ پوری رات نم ہوتا رہا۔

❁......❁......❁

ابرار خان کی کرسی پر بیٹھے بیٹھے کب آنکھ لگ گئی انہیں پتا بھی نہ چلا خواب میں سکینہ کا مسکراتا چہرہ نگاہوں کے سامنے آ گیا ان کو ڈھارس ہوئی۔ اچانک وہ چونک اٹھے یوں لگا جیسے بیوی کے ہونٹ ہل رہے ہوں وہ کچھ کہنا چاہتی ہوں۔

کان لگا کر بغور سنا تو دل کو کچھ ہوا۔
"بدنامی، جگ ہنسائی، بربادی...... ہمارے گھر کی راہ دیکھ رہی ہے۔" سکینہ کا پیغام ان تک پہنچ گیا سینے پر دباؤ سا محسوس ہوا اور وہ ایک دم اٹھ بیٹھے۔
"یا اللہ اس گھر میں یہ دن بھی آنا تھا میری بچی پر کیسا بے ہودہ الزام لگایا گیا اور میں کچھ نہ کرسکا۔" ابرار خان بے چین ہو کر کھڑے ہو گئے اور اسٹک تھام کر ٹہلنے لگے۔
کافی دیر ٹہلنے کے باوجود کچھ بجھائی نہیں دیا البتہ ٹھنڈ بوڑھی ہڈیوں میں سماتی چلی گئی اور پیروں میں درد شروع ہو گیا۔ برسوں سے روٹین بنی ہوئی تھی کہ سونے سے قبل نیم گرم دودھ پیتے آج سائیڈ ٹیبل پر رکھا گرم دودھ ٹھنڈا ہو گیا تھا مگر انہوں نے ایک گھونٹ نہیں بھرا۔ بس ذہن پر ایک ہی بات سوار تھی کہ اس فتنے کو کیسے دبائیں؟ جانتے تھے کہ بڑی بہو کی زبان کھل چکی ہے اگر اس پر روک نہ لگائی گئی تو دوبارہ ایسے واقعات ہو سکتے ہیں۔
"میں دوبارہ ایسا موقع آنے نہیں دوں گا اس گھر سے بدنامی جگ ہنسائی اور بربادی کو دور رکھوں گا...... بہت دور۔" وہ زور زور سے اس بات کو دہراتے چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد خاموشی سے بستر پر لیٹ گئے۔ دیر تک نیند نہیں آئی تھک ہار کر چہرے پر تکیہ رکھ لیا۔

✿ ...... ✿ ...... ✿

گھور گھٹا کی مہتاب کے ساتھ آنکھ مچولی جاری تھی حبس کا خاتمہ ہوا اور بارش نے جمود کو توڑ دیا ہر سو تازگی اور ہریالی پھیل گئی تھی۔ بوندا باندی بند ہوئی تو انہوں نے لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے پٹ کھول دیے پھولوں کی مہک گیلی مٹی کے ساتھ مل کر ان کے نتھنوں میں داخل ہوئی تو من کی یاسیت ایک دم دور ہو گئی وجود پر انوکھی سی تازگی چھا گئی وہ جو پوری رات سو نہیں پائے تھے موسم کی عنایت پر خود کو تازہ دم محسوس کرتے ہوئے کسی کو بتائے بغیر چھڑی لے کر باہر نکل گئے ان کے قدم خود بخود نزدیکی پارک کی جانب اٹھ گئے جہاں یوکلپٹس کے اونچے درختوں سے آتی خوش بو آنکھیں خیرہ کرتی سورج کی روشنی گیلی مٹی اور سبز گھاس کی رسیلی باس سے انہیں بڑی اپنائیت سی محسوس ہوتی تھی۔ ماضی کے دریچوں سے یادوں کی دھند نے ان کے گرد اپنا حصار باندھ لیا۔ وہ سرد آہ بھرتے ہوئے قریب رکھی سنگ مرمر کی بنچ پر جا بیٹھے۔
گزشتہ کئی سالوں سے اس پارک میں آنا ان کے معمول کا حصہ تھا وہ اور سکینہ چہل قدمی کرنے کے ساتھ خاندان کے کئی مسائل یہاں بیٹھ کر سلجھاتے اور خوش باش واپس لوٹ جاتے۔ سکینہ بہو بیٹوں کے سامنے شوہر سے کبھی کوئی گھر کی بات ڈسکس نہیں کرتیں جانتی تھیں کہ ابرار خان کا مزاج گرم ہے بلاوجہ طیش میں آکر کسی کو کچھ کہہ سن دیا تو ماحول خراب ہو جائے گا اسی لیے جو دکھ سکھ کرنے ہوتے یہاں آکر تنہائی میں کرتیں۔ کسی بات پر اگر ابرار خان کی تیوریوں پر بل پڑ جاتے، انہیں ٹھنڈا کرنے کے ساتھ ہی، ایک بہترین حل یا درمیانی راستہ بھی پیش کر دیتیں۔ ان کی یہ ہی عقل مندی کئی سالوں تک گھر کے سکون کی ضمانت بنی رہی مگر وہ دنیا سے کیا گئیں سب کچھ جیسے بدل کر یا شاید بکھر کر رہ گیا تھا۔
انہوں نے سبز گھاس پر پھیلے اوس کے قطروں پر ہتھیلی رکھی گدگدی سی ہوئی مسکراہٹ نے کتنے دنوں بعد ان کے لبوں کو چھوا تھا، ابرار خان کو یہاں بیٹھنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ موسم کی تبدیلی اور سردی کی وجہ سے پارک میں اس وقت اکا دکا افراد واک کرتے دکھائی دیے ایسی تنہائی میں انہوں نے بہت دیر تک گھر کے بگڑتے حالات پر غور کیا۔ انہیں سائرہ کے شک اور کل کے جھگڑے نے بے چین کیا ہوا تھا۔ کافی غور و خوض کے بعد بالآخر وہ ایک فیصلہ پر پہنچے اور مسکراتے ہوئے اٹھ کر واپسی کے راستے پر چل دیے۔

"اماں وہ کچھ پیسے دے دیں کل بکرے کی سری پہنچانا ہے ویسے بھی یہ آخری جمعرات ہے۔" رانی نے دانت نے نکال کر دلشاد بانو سے پیسے مانگے۔

"ارے دفع دور کلموئی۔" وہ نوکرانی کی دیدہ دلیری پر پہلے تو حیران ہوئیں اس کے بعد چیخ پڑیں۔ رانی ڈر کے مارے صحن کی طرف چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد چائے بنا کر دوبارہ ان کے بستر کے نزدیک بیٹھ کر چاپلوسی میں لگ گئی۔

"اماں تم تو مجھتی ہی نہیں ہو بھائی شکیل چلے بھی گئے تو کیا ہوا عمل ادھورا نہیں چھوڑتے۔ دیکھنا بابا جی کی پڑھائی کی برکت سے ان کا دل وہاں اتنا گھبرائے گا کہ چند مہینوں میں ہی لوٹ کر تمہارے قدموں میں پڑے ہوں گے۔" رانی نے امید کی ایک نئی کرن ان کو تھما کر اپنا الو سیدھا کیا۔

"چل جھوٹی ایسے ہی مجھے بے وقوف بناتی ہے۔" دلشاد بانو نے چائے کی چسکی بھرتے ہوئے لتاڑا مگر اس نے بالکل برا نہیں مانا مان کر بھی کیا کر لیتی۔

"لے جھوٹ بولوں تو دوسرا دن دیکھنا نصیب نہ ہو اب تمہارے بہو بیٹے کے جانے میں بابا جی کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ میں کتنے دنوں سے تمہارے پیچھے پڑی رہی کہ ایک بار روحانی علاج گاہ کا چکر لگا لو مگر تم نے ایک نہ سنی اتنے دنوں بعد عمل شروع کروایا تو ایک دم سے کام کیسے بن جاتا۔" رانی نے پاؤں دباتے ہوئے کہا۔

"چھوڑ...... مجھے اب نہیں کروانا کوئی عمل۔" دلشاد بانو شش و پنج میں مبتلا ہو کر نفی میں سر ہلا بیٹھیں۔

"دیکھ لو ویسے بھی بھاء شکیل تو جمعراتیں پوری ہونے سے پہلے ہی چلے گئے اگر عمل پورا ہو جاتا تو میں دیکھتی کہ کیسے یہاں سے باہر قدم بھی نکالتے۔" رانی نے مالکن کے چہرے کا بدلتا رنگ دیکھا تو جم کر بات کی۔ دلشاد بانو اس کی باتوں پر غور کرنے پر مجبور ہو گئیں۔

"ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے۔" دلشاد بانو نے بچوں کی طرح سر جھکا کر اعتراف کیا۔

"ویسے بھی تمہاری بہو نے شادی کے بعد سے ہی بھاء شکیل کو تعویز گنڈے کرا کر اپنے بس میں کر لیا تھا۔ یہ تو بابا جی کی مہربانی ہے جو میری وجہ سے ایسے اوکھے کام میں ہاتھ ڈالا کوئی اور ہوتا تو وہ صاف انکار کر دیتے۔" رانی نے منڈی ہلاتے ہوئے احسان جتایا۔

"کیا تو سچ کہہ رہی ہے؟" ان کے بوڑھے جھریوں زدہ چہرے پر دکھ پھیل گیا۔

"ہاں تو کیا غلط بول رہی ہوں اور تم یہ بات کیسے بھول گئی کہ بھاء شکیل پر بابا جی کے تعویز کا کیسا اثر ہوا تھا جیسے ہی تم نے انہیں گھول کر پلایا وہ بیوی کو چھوڑ چھاڑ تمہارے کمرے کے ہی ہو کر رہ گئے تھے۔" رانی نے چرب زبانی سے دلشاد کو پوری طرح شیشے میں اتارا۔

"یہ بات تو تیری ٹھیک ہے جانے سے پہلے شکیل صرف میرے پاس ہی رہا اس نرما کی طرف تو دیکھتا بھی نہیں تھا پتا نہیں کیا مجبوریاں ہوں گی جو میرے بچے کو جانا پڑا ورنہ وہ تو ایک گھنٹہ بھی میرے بغیر نہیں گزارتا تھا۔" انہوں نے منہ پر دوپٹہ ڈال کر رونا شروع کر دیا رانی دوڑ کر پانی لائی اور انہیں تسلی دیتے ہوئے پلایا۔

"اچھا تو پھر پیسے دے رہی ہو یا میں جاؤں ویسے بھی بابا کہہ رہے تھے عمل کو بیچ میں ادھورا چھوڑنے سے معاملہ الٹا بھی پڑ سکتا ہے یہ نہ ہو کہ تم ہمیشہ کے لیے بیٹے سے ہاتھ دھو بیٹھو۔" رانی نے جانے کے لیے کھڑے ہو کر پوچھا۔

"اللہ نہ کرے خبردار جو اپنی منحوس زبان سے یہ الفاظ دوبارہ نکالے۔" دلشاد بانو نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔ وہ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اٹھ کر اندر گئیں اور الماری میں سے پرس نکال کر واپس لوٹیں۔

شگفتہ الطاف

ڈیئر قارئین اور آنچل اسٹاف کو میرا پیار بھرا سلام قبول ہو‘ ایسے آنکھیں پھاڑے کیا دیکھ رہی ہیں یہ میں ہوں شگفتہ الطاف۔ جی تو چلیں آپ سے اپنی ہستی کو متعارف کرواتی ہوں‘ میرا نام تو جیسا کہ آپ جانتے ہی ہیں میں 10 اپریل 1999ء کو اس جہان فانی میں تشریف لا کر اس کی رنگینیوں میں اضافے کا باعث بنی۔ پچھلے کئی سالوں سے میں آنچل کی خاموش قاری ہوں اور اب باقاعدہ شرکت کرنے کا شرف حاصل کررہی ہوں۔ ہم آٹھ فیملی ممبرز ہیں‘ تین بہنیں اور تین ہی بھائی ہیں اور میرا نمبر چوتھا ہے‘ میٹرک کے امتحانات سے فارغ ہوں اور اب راوی چین ہی چین لکھ رہا ہے۔ سرخ گلاب بہت پسند ہے‘ بارش بھی پسند ہے لیکن کیچڑ نہ ہو بس۔ سبھی رنگ پسند ہیں لیکن پنک اور اسکائی بلیو فیورٹ ہیں۔ کھانے میں بریانی بہت پسند ہے‘ رائٹرز میں نازی کنول‘ عشنا کوثر‘ سمیرا شریف طور‘ اُم مریم‘ نزہت جبیں ضیاء بہت پسند ہیں۔ بہت زیادہ فرینڈز بناتی ہوں (ارے......) آپ ابھی سے بور ہورہے ہیں ابھی تو میں نے انٹری دی ہے۔ بیسٹ فرینڈز میں شائستہ جمیل‘ ثریا جمیل اور اقراء کریم بخش شامل ہیں آخر میں دعا ہے کہ آنچل دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے اور اس مشکل آزمائش کے دور میں ہمیں صبر جمیل عطا فرمائے‘ آمین‘ اب اجازت چاہوں گی‘ اللہ حافظ۔

’’یہ لو ہزار روپے اس میں سے پانچ سو واپس کردینا۔‘‘ ایک کڑکتا ہوا نوٹ رانی کو تھماتے ہوئے تاکید کی۔

’’آئے ہائے اب تو تمہارا بیٹا باہر چلا گیا ہے‘ روپوں کی بارش ہوگی تم کیا ہزار پانچ سو کا حساب کرنے بیٹھ گئی ہو۔‘‘ رانی نے دانت نکال کر چھیڑتے ہوئے روپے اپنے میلے پلو سے باندھے۔

’’ٹھہر جا ناس پیٹی۔‘‘ دلشاد بانو نے بستر کے نیچے سے جوتی نکال کر اسے کھینچ ماری جو ٹھیک نشانے پر لگی۔

’’دودھ دینے والی گائے کی لات بھی بھلی۔‘‘ رانی نے کمر سہلاتے ہوئے دلشاد بانو کو دیکھ کر سوچا اور قہقہے مارتی ہوئی رفوچکر ہوگئی۔

ملنگی والے بابا نے پورے عمل کا ٹوٹل دو ہزار کا خرچہ بتایا تھا مگر دو تین ہفتوں کے اندر رانی نے ان سے بہانے سے تقریباً پانچ ہزار گھسیٹ لیے۔ وہ اس امید پر دیتی چلی گئیں کہ شاید معاملات اب سدھر جائیں مگر اس کے باوجود کچھ نہ ہوا اور ایک شام شکیل انہیں روتا چھوڑ کر اپنی بیوی کے ساتھ ملک سے چلا گیا‘ وہ پیچھے ماہی بے آب کی طرح تڑپتی رہ گئیں۔

اس کے بعد سے دلشاد بانو نے تہیہ کرلیا کہ اب نوکرانی کو ایک ٹکا نہیں دیں گی مگر وہ اس کی چلتی زبان کہ آگے ایک بار پھر ہار گئیں اور رانی باتیں بنا کر ہزار کا نوٹ لے کر چلتی بنی۔ دلشاد بانو نے ڈھلتی شام کے ساتھ گھر میں پھیلتے اندھیروں اور اپنی تنہائی کو دیکھا اور سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

❁......❁......❁

تیز ہواؤں کے ساتھ دھول مٹی کے ایسے جھکڑ چلے کہ ہر چیز پر مٹی کی موٹی تہہ جم گئی سفینہ نے پریشان ہوکر باہر کی جانب کھلنے والی کھڑکی زور سے بند کی نفاست پسند طبیعت پر یہ گرد وغبار گراں گزرنے لگا تو اس نے فوراً ہر چیز پر سے مٹی جھاڑنے کے ساتھ صفائی کا کام شروع کردیا۔ وہ مسلسل جھاڑ پونچھ کرنے کے بعد تھک گئی تو ستانے کے لیے ٹیرس میں آکر کھڑی ہوگئی آج اس نے کالج کی چھٹی کی تھی رات بھر جاگنے کی وجہ سے سر اتنا بھاری ہورہا تھا کہ اس سے جایا ہی نہیں گیا‘ اس پر ماں کی ناراضگی الگ ستم ڈھا رہی تھی۔

’’میں ذرا سبزی لینے جارہی ہوں۔‘‘ ریحانہ نے موسم کے تیور پرسکون ہوتے دیکھے تو پرس بغل میں دبا کر بیٹی کو

اطلاع دی۔

"کیا بازار جانا ضروری ہے۔ ابو آفس سے آ کر سودا لا دیتے۔" سفینہ نے دبے لفظوں میں روکنا چاہا۔

"ہاں جانا ہی پڑے گا کیوں کہ آج تمہارے ابو نے قیمہ کریلا کھانے کی فرمائش کی ہے اگر ان کے انتظار میں بیٹھ گئی تو بہت دیر ہو جائے گی اس لیے ہمت کر کے خود ہی نکل جاتی ہوں ویسے بھی بازار کون سا دور ہے دو قدم پر تو ہے۔" ریحانہ نے سودا سلف لانے والا تھیلا اٹھاتے ہوئے بیٹی کی تشفی کرائی۔

"رات بھر بارش ہوئی ہے اور صبح سے آندھی چلنا شروع ہوگئی، دیکھ بھال کر جایئے گا راستے میں دھول مٹی اور کیچڑ ملے گی۔" سفینہ نے فکرمندی سے ماں کو تاکید کی۔

"ہاں تو اب کیا کیا جائے گھر میں کھانا پکنا بھی تو ضروری ہے۔" وہ تلخی سے گویا ہوئیں۔

سفینہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر خاموش ہوگئی۔ وہ ریحانہ کی کیفیت سمجھ رہی تھی۔ کبھی کبھی ان کو بیٹے کی کمی کا شدت سے احساس ہوتا پھر ان پر یاسیت سی طاری ہو جاتی وہ بات بے بات سب کو کاٹ کھانے کو دوڑتی۔ ابھی تو ویسے بھی سائرہ کی زبان کے گھاؤ تازہ تھے۔ یوں تو فائز اپنی چچی جان کا بہت خیال رکھتا جب بھی گھر کا سامان خریدنے جاتا ان سے بھی پوچھ لیتا، ریحانہ بھی عالم مجبوری میں اس سے مدد مانگ لیتی مگر آج تو انہیں یہ بات بالکل گوارا نہیں تھی۔ سیڑھیوں سے نیچے اترتے ہوئے جٹھانی کی بیٹھک کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

ماسی ٹیرس دھونے کے بعد جھاڑو سے سیڑھیوں کی دھلائی کر رہی تھی۔ سفینہ اس کو ہدایت دینے میں مشغول تھی اچانک فائز دندناتا ہوا سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آتا دکھائی دیا۔ وہ بلیک جینز اور گرے شرٹ میں بالوں میں ہاتھ پھیرتا ارف سے چلنے میں بہت ہینڈسم لگ رہا تھا مگر سفینہ اس کو نظر انداز کر کے تیزی سے گرل پار کر کے اپنے پورشن کی جانب بڑھ گئی۔

"صاحب! یہ کیا...... کیا؟ ابھی تو مٹی صاف کی تھی۔" ماسی نے سلیپر کے نشان دیکھ کر فائز کو ٹوکا۔

"کوئی بات نہیں دوبارہ صاف کر دو۔" فائز نے دھپ دھپ کر کے پاؤں جھاڑے اور ہنستا ہوا اوپر چلا گیا۔

"سفی پلیز میری بات تو سنو۔" فائز نے بڑے پیار سے پکارا مگر وہ انجان بنی کمرے کی جھاڑ پونچھ میں لگی رہی۔

"میں صبح سے تمہارے نیچے اترنے کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ تو چاچی کو تھیلا اٹھائے باہر جاتے دیکھا تو، اپنی خدمات پیش کرنے کی جگہ موقع کا فائدہ اٹھا کر اوپر آ گیا مگر تم ہو کہ لفٹ ہی نہیں کرا رہی۔" اس نے ساتھ گھوم گھوم کر پوری کہانی سنائی مگر سفینہ پر ذرا جو اثر ہوا ہو وہ منہ سوجائے اپنے کاموں میں الجھی رہی۔

"اف اتنے نخرے تو میں نے کبھی کسی حسین و جمیل لڑکی کے بھی برداشت نہیں کیے پھر تم کیا چیز ہو؟" فائز سے اس کی خاموشی برداشت نہیں ہوئی تو ڈسٹر چھین کر چڑایا۔

"جناب فائز صاحب آپ یہاں سے چلے جائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ تائی اماں جاسوسی کرنے اوپر آ جائیں اور مجھ پر الزامات کی نئی سیریز چلا دیں۔" اس نے بڑی سنجیدگی سے طنز کیا اور منہ موڑ کر کھڑی ہوگئی۔ وہ سر جھٹک کر مسکرایا۔

"اتنی عزت کہ آپ جناب پر اتر آئیں۔ واہ صاحب۔" فائز نے اس کا بازو پکڑ کر رخ اپنی جانب پھیرنا چاہا مگر وہ ہاتھ چھڑا کر دور جا کھڑی ہوئی۔

"شاید میری بات آپ کی سمجھ میں نہیں آ رہی امی آتی ہی ہوں گی...... آپ کو یہاں دیکھ لیا تو بلاوجہ مجھ سے خفا ہوں گی۔" سفینہ نے بڑے احترام سے طنز کیا تو فائز کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"لڑکی اصولاً تو تمہیں اپنے ہونے والے شوہر کو ہمیشہ ایسے ہی مخاطب کرنا چاہیے مگر یہ جو تم کبھی کبھار ہماری عزت افزائی کرتی ہو چلو اسی پر خوش ہو جاتے ہیں۔" فائز نے سر جھٹک کر شرارت سے ایک آنکھ بند کر کے کہا۔

"فائز صاحب میں ایسے شخص سے شادی کا تصور بھی نہیں کرسکتی جو میری عزت کروانا نہیں جانتا ہو۔" وہ جل بھن کر چلائی۔

وہ قہقہہ لگاتا چلا گیا چاہتا تھا کہ سفینہ اندر ہی اندر گھٹنے کی جگہ اسے چار باتیں سنائے، خوب لڑے تاکہ اس کے اندر کا سارا غبار ایک جھٹکے میں باہر آجائے اور ان دونوں کے تعلقات دوبارہ نارمل ہو جائیں مگر وہ تو پروں پر پانی پڑنے نہیں دے رہی تھی۔

"چلو دوستی۔" وہ اس کے کمرے سے ٹیڈی اٹھا کر لے آیا اور اس کا ہاتھ بڑھا کر سفینہ سے دوستی کرنے کے لیے کہا۔

"نہیں آپ سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا۔" سفینہ کی برداشت جواب دے گئی اور وہ یہ کہتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"سفینہ ایسے تو نہ رو میں تمہیں کیا سمجھتا ہوں یہ بات میرے دل سے پوچھو۔" اس کے وجود پر پشیمانی کا بوجھ بڑھتا چلا گیا۔

"یہ بات تو مجھے اسی دن پتا چل گئی تھی جس دن آپ کے سامنے تائی اماں نے مجھ پر ایسے گھٹیا الزام لگائے۔" وہ مسلسل روتے ہوئے بولی۔

"یار! سمجھنے کی کوشش کرو اگر تم مجھے جان سے زیادہ عزیز ہو تو وہ بھی میری ماں ہیں انہیں سمجھا سکتا ہوں۔ ان پر ہاتھ تھوڑی اٹھا سکتا۔" فائز بھی ایک دم پھٹ پڑا۔

"صحیح کہہ رہے ہیں تو پھر میرا ایک کام کریں گے؟" سفینہ نے اپنی بھیگی پلکیں اٹھا کر ایسے کٹیلے انداز میں دیکھا کہ فائز کا دل ڈول گیا۔

"ہاں کہو ضرور مانوں گا۔" اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سفینہ کے ہاتھوں کو تھپتھپا کر تسلی دی۔

"یوں کریں کہ میری زندگی سے ہمیشہ کے لیے کہیں دور چلے جائیں۔" سفینہ نے اپنا ہاتھ چھڑایا اور بڑی بے رحمی سے منہ موڑ کر فیصلہ سنایا۔

"ٹھیک ہے اب ایسا ہی کروں گا۔" فائز اس کی بات پر پہلے تو ششدر رہا پھر اس کا چہرہ اٹھا کر آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا، سفینہ اپنے گلابی ہونٹ بے دردی سے کاٹتے ہوئے بے خوفی سے اس کو دیکھتی رہی۔

❁......❁......❁

جلال اور بہزاد باپ کے بلانے پر جب تک ان کے کمرے میں پہنچے۔ وہ اپنی آرام دہ کرسی پر دراز آنکھیں موندیں باقاعدہ خراٹے لے کر سو چکے تھے۔ دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کر کے، کارنر پر رکھے ہوئے صوفے پر آواز پیدا کیے بغیر بیٹھ گئے حالانکہ ابرار خان نے دونوں بیٹوں کو ضروری بات کرنے کے لیے خود ہی بلایا تھا، مگر رات کو نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے اچانک ان پر غنودگی طاری ہوگئی تھی۔ دونوں بھائی باپ کو ڈسٹرب کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے، یہ سکینہ کی ہی تربیت تھی، وہ باپ کا بے حد احترام کرنے کے ساتھ ان سے بہت زیادہ محبت بھی کرتے تھے، ان لوگوں کی حد سے بڑھی ہوئی فرماں برداری پر اکثر بیویاں بھی چڑ جاتیں۔ خوب طعنے دیتیں مگر انہوں نے کسی کے دباؤ میں آکر بھی اپنی روش نہ بدلی۔

"ارے تم دونوں کب سے آئے بیٹھے ہو، ہمیں جگایا کیوں نہیں؟" تھوڑی دیر بعد وہ کسی خیال کے تحت چونک کر

جاگے تو بیٹوں کو یوں خاموشی سے بیٹھے دیکھا تو شفقت سے گویا ہوئے۔

''بس آپ اتنے سکون سے سو رہے تھے تو ہم نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔'' جلال نے پیار سے بوڑھے باپ کے پیروں پر گرم شال ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

''تمہاری جنت مکانی ماں کی بھی یہ ہی عادت تھی، کتنا بھی ضروری کام کیوں نہ ہو، وہ ہمیں سوتے سے کبھی نہ جگاتیں۔'' ابرار خان کی نگاہوں میں یادِ گم گشتہ کے سائے چھا گئے، دکھ کی لہریں سی پھوٹ پڑیں اور ان تینوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

''ہا......ہا'' ان دونوں ایک دم ٹھنڈی آہ بھری۔ ماں کی یاد نے بے چین کر ڈالا۔ کمرے میں لمحے بھر کو سکوت طاری ہوا۔ گھڑی کی ٹک ٹک کے سوا کوئی دوسری آواز نہ تھی۔ سب اپنی اپنی سوچوں میں گم ہو گئے۔

''ابا جی! آپ کو کوئی کام تھا۔'' بہزاد نے گھڑی کی طرف دیکھ کر پوچھا مغرب کی نماز کا وقت ہونے والا تھا، ابرار خان مسجد چلے جاتے تو بات ادھوری رہ جاتی۔

''ہاں ایک بہت اہم بات ہے جو ہم اکیلے میں تم دونوں سے کرنا چاہتے تھے۔ امید ہے کہ تم لوگ ہماری بات سے اتفاق کرو گے۔'' وہ ماضی سے پیچھے چھڑا کر حال میں لوٹے اور اپنی چھڑی کو مضبوطی سے تھام کر بڑے مان سے بولے۔

''ابا جی! آپ کو اس تمہید کی ضرورت نہیں بس حکم کریں۔'' جلال خان کی بات سے باپ کو کافی حوصلہ ملا۔

''میرے بچوں گھر کا ماحول دن بہ دن خراب ہوتا جا رہا ہے۔'' ابرار خان نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

''ابا جی! اگر آپ کل والے واقعے کا ذکر کر رہے ہیں تو میں بہت شرمندہ ہوں، مجھے فائز نے سب بتایا ہے، سائرہ کو بہت سمجھاتا ہوں مگر آپ جانتے ہیں وہ کیسے دماغ کی عورت ہے، اپنے آگے کسی کی سنتی ہی نہیں۔'' جلال نے ایک دم نگاہیں جھکا کر شرمندگی سے کہا۔

بہزاد نے بھائی کی بات پر پہلو بدلا مگر منہ سے ایک لفظ نہیں نکالا، ریحانہ نے انہیں بھی ساری بات بتائی تھی اور جیٹھ سے بات کرنے کے لیے اکسایا بھی مگر وہ ٹال گئے تھے۔

''ہم تو اس وقت سے ڈرتے ہیں جب تفرقے کی یہ دیوار تم دونوں کو جدا کر دے۔'' یہ بات کہتے ہوئے ان کے کاندھے جھک گئے اور وہ پہلے سے بھی زیادہ بوڑھے دکھائی دینے لگے۔

''آپ فکر نہ کریں ایسا کبھی نہیں ہوگا۔'' دونوں بیٹوں نے بیک وقت جا کر باپ کو تھاما اور تسلی دی۔ بہزاد نے باپ کو ایک گلاس پانی پلایا تھوڑی دیر بعد انہوں نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

''ساری باتوں پر غور کرنے کے بعد ہم نے ایک فیصلہ کیا ہے۔'' وہ مسکرا کر بولے۔ دونوں بھائی خاموشی سے ہمہ تن گوش تھے۔

''ہم نے سفینہ سے فائز کی شادی کرنے کا سوچا ہے ویسے بھی یہ فیصلہ تو تمہاری ماں نے اپنی زندگی میں ہی کر دیا تھا۔ اب جب کہ فائز باہر جانے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ یہ بروقت اقدام ہوگا۔ نکاح کے بعد بھلے ہی وہ چلا جائے ہمیں اطمینان رہے گا۔ ہاں رخصتی اس کی واپسی پر ہوگی۔ اس طرح سب کی زبانیں بند کر دی جائیں گی اور گھر کا سکون بحال رہے گا۔'' انہوں نے بیٹوں کو دیکھتے ہوئے اپنی بات پوری کی۔ وہ دونوں خوش دکھائی دینے لگے مگر دروازے سے کان لگائے سن گن لیتی سائرہ کی روح فنا ہو گئی۔

سسر کا فیصلہ سنتے ہی ان کی دونوں آنکھیں پھٹ گئیں، ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے ہکا بکا ایک ہی جگہ پر جم کر کھڑی رہ گئیں۔

"سائرہ بیگم! میں نے تمہیں کتنا سمجھایا کہ ریحانہ سے مل جل کر رہو، بچوں سے بلاوجہ کی ناراضی چھوڑ دو...... ورنہ تم تنہا رہ جاؤ گی مگر تم نے ایک نہ مانی۔ اب وہ وقت آ ہی گیا اس لیے برداشت کرو یا ہر وقت ہائے وائے کرتی پھرو۔" جلال خان نے بیوی کی ساری لن ترانیاں ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکالتے ہوئے الٹا انہیں ہی قصوروار ٹھہرایا۔

"ہاں میں ہی بری ہوں ورنہ اس خاندان میں باقی سب تو دودھ کے دھلے ہیں۔" سائرہ نے جل کر ماتھا پیٹا۔

"دودھ کے دھلے ہو یا پانی سے اب کچھ ہو نہیں سکتا۔ اباجی تو فیصلہ کر چکے ہیں۔ اس لیے سفینہ کے علاوہ کوئی دوسری لڑکی تمہاری بہو نہیں بن سکتی۔" جلال خان نے بیوی کو مزید چڑا کر مزہ لیا۔

"اس بھول میں مت رہیے گا۔ کم از کم۔ میری زندگی میں تو ایسا نہیں ہوگا۔" وہ بلبلائیں۔

"اچھا چلو کوئی بات نہیں، بیٹے کے ساتھ ساتھ میں بھی سہرہ باندھنے کی تیاری کر لیتا ہوں۔" ان کا شرارتی انداز سائرہ کے دل پر جا لگا۔

"خدانخواستہ آپ کیوں سہرہ باندھیں گے؟" انہوں جل کر پوچھا۔

"کیوں جب آپ ایسی دھمکیاں دیں گی تو مجھے بھی ہری ہری ہی سوجھے گی نا۔" جلال خان کا قہقہہ کمرے میں گونجا۔

"آپ تو یہ ہی چاہتے ہیں کہ میں مر جاؤں اور آپ کو کھل کر کھیلنے کا موقع مل جائے۔" وہ بستر پر گر کر بھوں بھوں روتے ہوئے بولیں۔

"کیوں بھئی اس سے بھلا میرا کیا فائدہ ہوگا؟" جلال نے معصومیت سے اپنے گنجے سر پر ہاتھ پھیرا اور جھک کر پوچھا۔

"آپ کو اپنی برسوں پرانی دوسری شادی کی خواہش پوری کرنے کا موقع جو مل جائے گا۔" سائرہ فائز کا مسئلہ بھول بھال، شوہر سے دوسرے محاذ پر لڑنے لگ گئیں۔

"ہا...... ہا...... اچھا ہے نا بیٹے کے ساتھ مجھے بھی برانڈ نیو بیوی مل جائے گی تمہیں دیکھ دیکھ کر تو اب آنکھیں دھندلانے لگی ہیں۔" جلال خان نے چندھی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے انہیں ستایا۔ وہ زوردار انداز میں آنسو بہانے بیٹھ گئیں۔ جلال خان گنگناتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔

گہری کالی گھٹا اٹھی اور ایک دم سے تیز ہوا چلنے لگی۔ موٹی موٹی بوندیں اس کے چہرے پر پڑیں اور وہ مسحور ہوگئی آنکھیں موندیں اور بانہیں پھیلا کر بارش کا لطف اٹھانے لگی چوڑیوں پر بارش کے گرتے ہوئے قطروں نے انوکھی راگنی چھیڑ دی۔ وہ موسم کا بھرپور لطف اٹھانے تیسری منزل پر واقع چھت کی طرف بھاگی یکا یک بارش رک گئی مگر موسم ایک دم سے خوش گوار ہوگیا، وہ جھک کر سڑک پر جمع ہونے والی پانی میں بنتے پھوٹتے بلبلوں کو تکنے لگی۔ فائز جو ابھی اپنے دوست سے مل کر بائیک پر تیزی سے گھر کی طرف چلا آرہا تھا سر اٹھا کر دیکھا تو اسے چھت پر دشمن جاں کھڑی دکھائی دی۔

اس نے جلدی سے بائیک گیٹ کے باہر روکی اور چپکے سے سیڑھیاں چڑھتا اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔ وہ گلابی اونچے کرتے اور سفید پٹیالہ شلوار میں اپنے کھلے بالوں کی آبشار کو ایک سائیڈ پر ڈالے بہت پیاری لگ رہی تھی۔ پھر دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس کے برابر کھڑا ہوا۔ اس کے مخصوص پرفیوم کی مہک فضاؤں میں پھیلی اور سفینہ کو اس کے

ہونے کا پتا دے گئی۔ اس نے سرعت سے گردن گھمائی فائز کو دیکھا اور دیکھتی رہ گئی وہ بلیو کرتا شلوار میں اپنی صاف رنگت اور لمبے قد کی وجہ سے بہت جچ رہا تھا ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو اس کی وجاہت میں بے پناہ اضافہ کررہی تھی۔ سفینہ کو اپنی طرف یوں متوجہ دیکھ کر وہ بڑے انداز میں مسکرایا۔

''ہائے......'' فائز کی بھاری مردانہ آواز سفینہ کی سماعتوں میں اتر کر من کو شانت کرتی چلی گئی چہرے پر الوہی روشنی پھوٹ پڑی۔

''جناب' آج کہاں غائب تھے؟'' خود پر اس کی نگاہیں محسوس کر کے سفینہ نے ایسے ہی پوچھا۔ مگر فائز چپ چپ اسے دیکھے گیا' وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

اچانک تیز ہوا چلی اور اس کا سفید آنچل لہراتا ہوا فائز سے لپٹ گیا۔ سفینہ ہوا کی اس شرارت پر گھبرا گئی۔ ایک کونا پکڑ کر اپنی جانب کھینچا۔ فائز نے مسکرا کر اس کی حالت سے لطف اٹھایا۔ شیفون کے دوپٹے میں بسی خوش بو اپنے اندر اترتی محسوس ہوئی، دوسرا کونا تھام کر نرمی، ہتھیلیوں میں جذب کرنے لگا۔

''کیا ہوا طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' سفینہ نے فوراً دوپٹے کو کھینچ کر اس کے ہاتھوں سے چھڑایا اور کس کر اپنے گرد لپیٹتے ہوئے پوچھا۔

''اونہہ ہوں۔'' وہ نفی میں سر ہلاتا ہوا ایک دم اس کے مقابل اکھڑا ہوا جذبے لٹاتی نگاہیں اس پر جما دیں۔

''میں قدرت کی صناعی کو دیکھ رہا ہوں۔ سچ کہوں تو تمہاری خوب صورتی میں اس رنگ کا کوئی کمال نہیں بلکہ تم نے اپنے لیے منتخب کر کے اسے موسم کا رنگ بنادیا' یہ مشک بار بال...... شہابی رنگت...... سنہری آنکھیں...... گلابی ہونٹ میری دنیا ان سے کتنی سج گئی ہے۔'' وہ سفینہ کی تعریف کرتا چلا گیا۔ وہ انوکھی تسکین محسوس کرنے لگی۔

''فائز بس۔'' اس نے شرما کر روکنا چاہا۔

''پلیز آج صرف مجھے بولنے دو۔'' فائز نے اپنی انگلی اس کے نرم ہونٹوں پر رکھ کر خاموش رہنے کا اشارا کیا۔

''پگلی...... ایک بات بتاؤ گر میں تم سے جدا ہو جاؤں گا تو بھلا جی سکوں گا، کوئی اپنی روح کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہے۔'' وہ جذباتی انداز میں اس کا ہاتھ تھام کر بولتا چلا گیا۔

''کوئی تو ہے جو مجھے بھی اتنی چاہت سے دیکھتا ہے' میری ذات کو خود سے بھی زیادہ اہمیت دیتا ہے۔'' اپنی ذات میں فائز کے انہماک کو دیکھ کر اس کا غصہ اور ناراضگی دور ہونے لگی، وہ ایسی پرسکون ہوگئی جیسے سیلاب گزر جانے کے بعد دریا کا پانی......

''اب تو مان جاؤ آج رات کو میں تمہاری پسند کی آئس کریم کا فلیور بھی لا کر دوں گا۔ یار تم ناراض ہوتی ہو تو' مجھے کھانا بھی اچھی نہیں لگتا۔'' وہ کانوں کو ہاتھ لگاتا اتنی معصومیت سے بولا کہ سفینہ کھکھلا اٹھی اور مسکرا کر سر ہلادیا۔

کافی دیر بعد نیچے آئی تو اپنے کمرے میں بند ہو کر آئینے میں خود کو ہر زاویے سے دیکھ کر زیر لب مسکراتی رہی۔ صرف فائز کی محبت نے اپنی اہمیت اس کے نزدیک کئی گنا بڑھادی۔ وہ خود کو ایک قیمتی شے کی طرح محسوس کرنے لگی۔

❁......❁......❁

''اماں بتاؤ اب میں کیا کروں یہ لوگ مجھے چین سے جینے نہیں دیں گے۔'' سائرہ نے میکے پہنچ کر چادر اتارتے ہی ماں کے سامنے دکھڑا رونا شروع کیا۔

''ہائے کیا ہوگیا میرا بچہ؟'' دلشاد بانو ہاتھ ملتی ہوئی بیٹی کے پاس پہنچیں۔

''تو پہلے یہاں آرام سے بیٹھ جا۔'' انہیں جلدی سے صوفے پر بٹھایا اور رانی کو پانی لانے کا اشارہ کیا۔

''اب میں کیا کیا بتاؤں؟ ایک طرف تو بیٹا ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے اور دوسری طرف آپ کے داماد کو نئی بیوی کا شوق چرایا ہے۔'' سائرہ نے چھکوں پھکوں روتے ہوئے کہا۔

''اے اللہ اب اس عمر میں یہ ہی سننا باقی رہ گیا تھا۔ ایک بیٹا تھا وہ پرایا ہو گیا۔ اب بے چاری بیٹی بھی رنج والم کی تصویر بنی ہوئی ہے۔'' دلشاد بانو نے سینے پر دو ہتڑ مار کر بین شروع کر دیا۔

''توبہ ہمیشہ سے جانتی ہوں کہ اماں کتنی جلدی ہول جاتی ہیں پھر بھی آتے ہی ان کے سامنے شروع ہو گئی۔'' سائرہ نے پانی پینے کی جگہ گلاس ماں کے منہ سے لگایا اور اپنی جلد بازی پر خود کو جھاڑا۔

''اماں پلیز روئیں نہیں وہ تو میرا دل بھر آیا تو ایسے ہی شکوہ کر بیٹھی ورنہ جلال ایسے نہیں ہیں۔ مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔'' سائرہ نے ماں کو دلاسہ دیا اور شوہر کی صفائی پیش کی۔ رانی جو کام چھوڑ چھاڑ ان دونوں کی باتیں سننے میں محو تھی سائرہ کے پینترا بدلنے پر مسکرائی۔

''سائرہ تو سچ بول رہی ہے نا۔'' دلشاد بانو نے کئی بار بیٹی سے اس بات کی تصدیق چاہی۔

''جی...... سچ کہہ رہی ہوں۔ جلال تو بس مجھے تنگ کرنے کے لیے ایسی باتیں کرتے ہیں۔'' سائرہ نے زبردستی مسکرا کر سر ہلایا۔

''اچھا اور فائز کا کیا مسئلہ ہے آنے دو اسے دیکھنا کیسے کان کھینچتی ہوں۔'' دلشاد بانو نے دبنگ لہجے میں بیٹی کو تسلی دی۔

''آ...... ہا...... اماں! اس کی کہاں ایسی مجال جو مجھے تنگ کرے مگر وہ جو میرے سر ہیں نا ایک پل کو بھی چین لینے نہیں دیتے۔'' سائرہ کی ناراضگی کا رخ اب ابرار خان کی جانب مڑ گیا۔

''ہائیں اب بڑے میاں کو کیا تکلیف ہوئی۔'' انہوں نے ہاتھ نچا کر پوچھا۔

''بس ضد باندھ کر بیٹھ گئے کہ فائز کی شادی ان کی پوتی سفینہ سے ہی ہو گی اور وہ بھی ایک دو مہینے میں آپ تو جانتی ہیں میری دیورانی ریحانہ نے ساری عمر میرے سینے پر مونگ دلا ہے اب میں اس کی بیٹی کو بہو بنا کر ساری عمر کا عذاب کیسے مول لوں۔'' سائرہ نے روتے ہوئے ماں کو ساری کتھا سنائی۔

''اے اولاد تمہاری ہے اور حکم بڑے میاں چلا رہے ہیں۔ ظلم کی بھی حد ہے۔'' دلشاد بانو نے ناک پر انگلی ٹکا کر بیٹی کو دکھ سے دیکھا۔

''یہ بات کوئی سمجھ ہی نہیں رہا۔ میرے کون سے چار چھ بچے ہیں۔ اکلوتا بیٹا ہے اس کے لیے میرے بھی تو کچھ ارمان ہوں گے یا نہیں؟'' سائرہ نے پاؤں پھیلاتے ہوئے آنکھوں میں آنسو بھر کر پوچھا۔

''حق...... ہا...... جانے لوگ بہو کو بیٹی کیوں نہیں سمجھتے؟'' دلشاد بانو نے بے چارگی سے کہا تو رانی نے بے ساختہ اپنی ہنسی پر قابو پایا۔

''آج ماں...... بن کر سوچا تو دل میں اپنی بیٹی کے لیے کیسی ہوک اٹھی، کل یہ ہی دلشاد بانو بہو کے لیے کڑی کمان بنی ہوئی تھیں۔'' رانی نے تلخ سچائی پر سر ہلاتے ہوئے سرد آہ بھری۔

''انہوں نے بھی کس قدر چھان پھٹک اور ناپ تول کر بہو کے لیے نرما کا انتخاب کیا بڑی محبت سے بیاہ کر لائیں اور گھر لاتے ہی اس کو مشکوک نظروں سے دیکھنے لگیں نہ بیٹے بہو کا ہنسنا بولنا اچھا لگتا نہ ہی گھومنا پھرنا یہاں تک کہ نرما کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بھی زہر سے بدتر لگتا تھا اتنے برے حالات میں کوئی کیسے رہ سکتا تھا اب جب کہ تنگ آ کر وہ دونوں یہاں سے چلے گئے تو ان کی یاد میں آنسو بہاتی پھرتی ہیں۔'' حقیقت کھلی کتاب کی طرح سامنے تھی۔

''اے تو کیا یہاں کھڑی بری بری شکلیں بنارہی ہے جا جاکر میری بیٹی کے لیے چائے بنا کرلا۔'' دلشاد بانو نے کوفت بھرے انداز میں رانی کو دیکھا۔

''اماں...... چائے کی کیا ضرورت ہے، بس روٹی پکانے جارہی ہوں۔ کھانے کا وقت ہونے والا ہے باجی کو کھانا کھلا دیتے ہیں نا۔'' رانی نے کام چوری سے باتیں بناتے ہوئے جان چھڑانا چاہی۔

''ارے کم بخت باتیں کم بنا بس تو جاکر پہلے چائے بنا اس کے بعد روٹی پکانا۔'' دلشاد بانو نے آنکھیں نکال کر گھورا۔

اچھا ٹھیک ہے۔'' وہ منہ بنا کر کھڑی ہوگئی۔ سائرہ ماں سے باتوں میں محو ہوگئی۔

''باجی جی! ایک بات کہوں آپ کے اس مسئلے کا ایک حل ہے۔'' رانی نے مڑ کر ایک دم سے ان دونوں کی باتوں میں لقمہ دیا۔

''تمہارے پاس...... وہ کیا حل ہے؟'' سائرہ نے حیرت سے منہ کھولا دلشاد بھی نوکرانی کو گھورنے لگی۔

''ملنگی بابا وہ ہی ہیں جو آپ کو اس مشکل سے نکال سکتے ہیں۔'' رانی نے دھیرے سے کہا تو ان دونوں ماں بیٹی کی آنکھیں حیرت سے اس پر جم گئیں۔

❀......❀......❀

''سفینہ چلو میرے ساتھ کہیں دور بھاگ چلو'' اس کی گوری گوری کلائیاں تھام کر جھک کر کانوں میں سرگوشی کی۔

وہ چھٹی کے وقت کالج گیٹ سے باہر نکلی تھی اس کو سامنے پاکر حیران رہ گئی۔ گاڑی میں بیٹھنے سے فوراً انکار کیا، پچھلا تلخ تجربہ ذہن سے وقتی طور پر او جھل ہوگیا تھا مگر وہ اسے بھولی نہ تھی۔ فائز کی بڑی منت سماجت کے بعد قریبی پارک میں تھوڑی دیر بیٹھ کر بات کرنے پر راضی ہوئی، اب اس نے ایسا دھماکا کیا کہ وہ اچھل پڑی۔

''کیا آپ کا دماغ چل گیا ہے؟'' چیخ مار کر اسے دھکا دیا اور خود سے دور کیا۔ ابھی دو دن قبل ہی تو بہت ساری آئس کریم کھلا کر فائز نے اسے بڑی مشکل سے منایا تھا، آج پھر الٹی سیدھی ہانکنے لگا۔ سفینہ نے مشکوک ہوکر اس کے چہرے کی جانب دیکھا، جہاں بظاہر سنجیدگی کی بڑی گہری چھاپ تھی۔

''میں سب کو بھلا کر صرف تمہیں اپنا بنانا چاہتا ہوں' اسی لیے تمہارے پیار میں تھوڑا خود غرض ہوگیا ہوں، وہاں چلتے ہیں جہاں صرف میں اور تم ہوں، کوئی تیسرا نہ ہو، شاید اس طرح سے تمہیں ذہنی سکون حاصل ہوجائے۔'' وہ جذباتی ہونے کی ایکٹنگ کرتا ہوا کھسک کر بنچ پر اس کے نزدیک ہوا۔

''کیا......! میں ایسا کچھ نہیں چاہتی۔ چلیں دور ہٹ کر تمیز سے بیٹھیں۔ یہ ایک پبلک پلیس ہے آپ کا بیڈ روم نہیں۔'' وہ مکا لہرا کر اسے ڈراتے ہوئے چیخی شکر ہے دوپہر ہونے کی وجہ سے پارک تقریباً سنسان ہی تھا۔

''او آئی سی یعنی بیڈ روم میں مجھے پاس بیٹھنے کی اجازت ہوگی۔'' فائز نے شرارت سے آنکھ ماری تو وہ دانت کچکچا کر اسے گھورنے لگی۔

''ویسے تم میں اور اونٹ میں کافی مشابہت ہے اس کی بھی تمہاری طرح کوئی کل سیدھی نہیں' کل تک مجھ سے لڑ رہی تھی کہ پیار نہیں کرتے...... پیار نہیں کرتے۔ آج جب تمہارے لیے سب کچھ چھوڑنے کو تیار ہوں تو خود ہی انکار کر رہی ہو۔'' فائز نے اسے چڑایا اور لمبے بالوں کی چوٹی پکڑ کر کھینچی وہ جو کسی اور خیال میں گم تھی اچانک اس کے چوڑے سینے ٹکرائی شرم سے چہرہ گلابی ہوگیا، بدک کر دور ہوئی۔ فائز کی دلچسپ نگاہوں کا سامنا کرنا مشکل لگا تو خود کو سنبھالا۔

''اور آپ کسی پاگل سے مشابہ لگ رہے ہیں جو ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔'' سفینہ نے اپنی کنپٹی پر مخروطی انگلی کو گھمایا۔

”مشکل یہی ہے کہ جو کچھ مجھے نظر آتا ہے وہ تم نہیں دیکھ پاتی۔ پہلے مجھ سے اس بات کے لیے لڑ رہی تھی کہ تمہارے حق کے لیے نہیں بولتا۔ آج جب اچھے مستقبل کی تصویر دکھانا چاہتا ہوں تو اپنی نظریں پھیر رہی ہو۔“ وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

”ہر بات کو وقت پر ہونے دیں۔ کون جانے آگے قسمت میں کیا لکھا ہو اتنی دور تک سوچنے کا کیا فائدہ۔ سب کچھ حالات پر چھوڑ دیں۔“ سفینہ نے اس سے دور ہٹتے ہوئے خلاؤں میں گھورا اور ایک فلسفہ جھاڑا۔

”ہا...... ہا بس غبارے میں سے ساری ہوا نکل گئی۔“ فائز کا قہقہہ بلند ہوا، وہ برے برے منہ بنانے لگی۔

”کیا مطلب، آپ مذاق کر رہے ہیں۔“ سفینہ ایک دم اچھل پڑی اور مڑ کر اسے دیکھتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں تو کیا تم مجھے ایسا لفنگا سمجھتی ہو جو اپنے خاندان کی عزت کی دھجیاں بکھیر دوں؟“ وہ تھوڑی سنجیدگی سے بولا۔

”او مائی گاڈ میری جان نکال کر رکھ دی۔“ سفینہ نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سکھ کا سانس لیا۔

”پاگل تم میری عزت ہو اور اپنی عزت کو کون مٹی میں ملاتا ہے۔“ فائز نے پیار بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ایک دم شرما گئی۔

”اچھا ہوا یہ ناٹک جلدی ختم ہو گیا ورنہ میں گھر پہنچتے ہی میں آپ کی شکایت لے کر دادا ابا کے پاس جاتی۔“ سفینہ نے تھوڑی دیر بعد اسے زبان چڑا کر دھمکی دی۔

”اچھا تو ٹھیک ہے۔ ان ہی سے پوچھ لینا ویسے بھی وہ خود ایک مہینے بعد تمہیں میرے ساتھ بھاگنے کی اجازت دینے والے ہیں۔“ فائز کو کچھ یاد آیا تو وہ چہک اٹھا، اس کی آنکھوں سے محبت کا خمار چھلکنے لگا۔

”فائز...... پلیز دادا ابا کا نام لے کر ایسا فضول مذاق بالکل نہیں کرنا چاہیے۔“ سفینہ کافی ناراض دکھائی دینے لگی، وہ دونوں ابرار خان کے معاملے میں بہت پکے تھے۔

”میں جھوٹ نہیں بول رہا، تمہیں شاید خبر نہیں دادا ابا نے ہم دونوں کی شادی کا فیصلہ کر لیا ہے اب بھلا بتاؤ کیا مجھے اپنی بیوی کو بھگا لے جانے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔“ فائز نے محبت لٹاتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور خوش خبری سنائی۔ اس کے منہ سے لفظ ”بیوی“ سنتے ہی سفینہ کا دل ایک نئی لے پر جھوم اٹھا۔

”سچ بتائیں کیا واقعی گھر میں ایسی کوئی بات ہوئی ہے؟“ وہ پہلے تو اسے حیران کن نگاہوں سے دیکھے گئی پھر اس کا بازو جھنجھوڑتے ہوئے جوش سے پوچھا۔

”لڑکی میں اپنی اور تمہاری شادی کی بات کر رہا ہوں کسی پڑوسن کی نہیں جو اتنا خوش ہو رہی ہو کچھ شرم، تھوڑی حیا کر لو۔“ فائز نے اس کا جوش و خروش دیکھ کر طنز کا تیر چلایا۔

”ویسے پڑوسن کی شادی پر کون خوش ہوتا ہے؟ سب اپنی ہی...... خیر صرف یہ بتائیں کہ یہ بات سچ ہے یا پھر مذاق کا کوئی نیا سیشن چل رہا ہے؟“ سفینہ نے مسکرا کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔

”ہاں بابا، میں بالکل سچ بول رہا ہوں تمہاری قسم۔“ فائز نے بڑے اسٹائل سے سر ہلایا۔ وہ پھر بھی اسے مشکوک انداز میں گھورتی رہی۔

”ایک منٹ چلو اٹھو گھر چلتے ہیں دادا ابا سے کنفرمیشن کرواتا ہوں۔“ فائز نے سفینہ کا نرم و نازک ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

”اس کا مطلب ہے میری بیڈ لک چل رہی ہے جب ہی تو آپ سے شادی کا فیصلہ کیا گیا۔“ وہ ہاتھ چھڑا کر گھاس پر تیز تیز چلنے لگی۔

”ایک منٹ سفینہ رکو تو پھر اچھی طرح سے سمجھاتا ہوں کہ تمہاری بیڈ لک چل رہی ہے یا گڈ لک۔“ فائز نے پیچھے

سے آواز دی مگر وہ پارک کے گیٹ سے باہر نکل گئی۔

سورج سرمئی بادلوں کی اوٹ سے دھیرے دھیرے مغرب کی گود میں چھپا جارہا تھا۔ فائز ہاتھ میں کافی کا کپ تھامے اس نظارے کو دیکھ کر مسحور ہورہا تھا۔ اسے شروع سے ڈوبتے سورج کا منظر اپنی جانب بلاتا تھا اور وہ سحر زدہ سے اسے دیکھے رہتا یوں لگتا جیسے سورج کے ساتھ ساتھ پوری کائنات بھی ڈوبتی جارہی ہو اور اس کا دل بھی ڈوبنے لگا ہو مگر یہ کیفیت کچھ دیر قائم رہتی پھر وہ نارمل ہوجاتا۔ اندھیرا بڑھنے لگا تو وہ جھاگ دار کافی ختم کر کے مڑا۔ اس کی نگاہ سفینہ پر پڑی جو ابرار خان کو یخنی پلانے کے بعد برتن سمیٹ کر اپنے پورشن کی طرف جارہی تھی۔

''یہ لڑکی سب کا کتنا خیال رکھتی ہے۔'' وہ پیار بھری نظروں سے اسے دیکھ کر مسکرادیا۔

ایک خاص احساس کے تحت سفینہ نے اس طرف دیکھا فائز کو اپنی طرف دیکھتا پاکر اس کے چہرے پر ایک شرمیلی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ زندگی ان دونوں پر ایک دم سے مہربان ہوگئی تھی شاید ان کے احساسات بدل گئے تھے یا بہت دنوں سے کوئی نیا ہنگامہ کھڑا نہیں ہوا تھا کچھ بھی تھا۔ ابرار خان کا فیصلہ ان دونوں کو مزید قریب لے آیا ہر وقت بچھڑنے کا جو دھڑکا لگا رہتا تھا اس سے جان چھوٹ گئی اور وہ بہت پُرسکون رہنے لگے۔

اب سفینہ بھی بلاں چوں وچرا اں فائز کی بات سہولت سے مان جاتی اسی لیے جب فائز کی نانی بیمار ہوئیں تو سائرہ میکے جانے کے لیے بے چین ہواٹھیں۔ جلال خان نے بھی ساس کی طبیعت خرابی کا سن کر بیوی کو فوراً وہاں جانے کی ہدایت کی ویسے تو رانی چوبیس گھنٹے ان کے پاس موجود رہتی دوسرے دلشاد بانو نے آمدنی میں اضافے کے لیے اوپر والا پورشن ایک بیوہ خاتون بتول آراء کو کرائے پر دے دیا تھا۔ صد شکر کہ شکیل نے اوپر والا پورشن بنواتے وقت ایک سیڑھی والا راستہ باہر سے بھی رکھوادیا تھا یوں اندر کا دروازہ بند ہونے کے بعد اوپر والا پورشن علیحدہ ہوجاتا۔ وہ ہی اب کام آیا اس طرح دونوں کی پرائیوسی قائم رہی۔ بتول جو ایک اسکول ٹیچر تھیں کافی سمجھدار عورت تھی وہ بھی آتے جاتے دلشاد بانو کی خبر گیری کرلیتی مگر بیٹی کا بدل تو کوئی نہیں ہوسکتا۔

بخار کی شدت بڑھتے ہی دلشاد بانو نے بلبلاتے ہوئے بیٹی کو فون کردیا۔ ماں کی نحیف آواز سن کر سائرہ کا بی پی ہائی ہونے لگا پہلے تو جی بھر کر بھائی بھاوج کو کوسنے دیئے اس کے بعد بھی دل ہلکا نہیں ہوا تو فائز کا ہاتھ پکڑ کر رونے بیٹھ گئیں۔ فائز نے ماں کو خود سے لپٹا کر تسلی دی اور فوراً ہی گاڑی نکال کر ماں کو نانی کے پاس پہنچانے کے لیے تیار ہوگیا۔ سائرہ کو شوہر اور بیٹے کے کھانے پینے کی فکر وہاں جانے سے روک رہی تھی۔ پہلے تو فائز کو کچھ سمجھ میں نہیں آیا پھر اس نے سفینہ کو چپکے سے کال کر کے ساری بات سمجھادی اور نیچے بلوالیا۔ سفینہ بڑی مستعدی سے نیچے والے پورشن میں چلی آئی اور کچن میں گھس کر دلشاد بانو کے لیے دو تین طرح کے پرہیزی کھانا پکا کر گاڑی میں رکھوائے اس کے بعد کمرے میں منہ سر لپیٹ کر لیٹ جانے والی سائرہ کو اٹھا کر گرم گرم چائے کے ساتھ دلاسے دیئے اور گھر کے سارے کام خوش اسلوبی سے سنبھالنے کے بعد انہیں بے فکری سے جانے کا مشورہ دیا۔ گو کہ سائرہ کو یہ بات قطعی پسند نہیں تھی کہ ان کی راج دھانی پر کسی اور خاص طور پر سفینہ کا قبضہ ہو مگر وقت پڑنے پر گدھے کو باپ بنانے والی مثل کو ذہن میں رکھتے ہوئے وہ کچھ نہ بولیں اور سر ہلاتی ہوئی میکے جانے کو تیار ہوگئیں۔ یہ الگ بات ہے کہ راستے بھر انہوں نے فائز کو سفینہ سے دور رہنے کی قسمیں دیں۔ اگر دلشاد بانو کی بیماری کا مسئلہ نہ ہوتا تو وہ ان حالات میں گھر کا محاذ چھوڑ کر کبھی نہ جاتیں۔

سائرہ کے دل و دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ غصے اور بے بسی سے ان کے لب سختی سے ایک دوسرے میں

پیوست تھے۔
"جلال خان مجھے یوں دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر باہر نہیں پھینک سکتے۔" وہ زیر لب بڑبڑائیں۔
وہ دلشاد بانو کی طبیعت کا خیال کرتے ہوئے، اس بات کو پینا چاہ رہی تھیں مگر نا کام ثابت ہوئیں۔
"میں بھی دیکھتی ہوں یہ لوگ کب تک مجھے نظر انداز کریں گے۔" اس وقت خود کو کمپوز کرنا ان کے لیے ایک مشکل امر تھا۔ وہ سب کچھ سہہ سکتی تھی مگر جلال خان کی بھتیجی کے لیے اتنی محبت اور بے جا حمایت۔ شدت کرب سے آنکھیں میچ لیں۔
"کس طرح سے اس مسئلے سے کو حل کروں کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔" سائرہ نے نیم کے درخت پر بیٹھے پرندے کو دیکھ کر سوچا جو اپنی چونچ سے تنے کو کرید رہا تھا۔
"کیا ہوا بیٹا! کس سوچ میں ہو؟" دلشاد بانو کو آج اپنی طبیعت بہتر محسوس ہوئی تو وہ صحن میں چارپائی پر آکر لیٹ گئیں سامنے ہی کرسی پر سائرہ بیٹھی تھی۔
"اماں گھر کے حالات ایک دم میرے خلاف ہوگئے ہیں۔" وہ جو ماں سے ساری بات چھپانے کا سوچ رہی تھیں، ایک دم پھٹ پڑیں۔
"ہائے رے اب کیا ہوگیا؟" انہوں نے اپنے دکھتے سر کو تھاما۔
"ابھی تھوڑی دیر پہلے فائز کے بابا کا فون آیا تھا۔ وہ سفینہ کے لیے سونے کا سیٹ بنوانا چاہ رہے تھے۔ مجھے جیولر کے پاس چلنے کا کہا ہے۔" سائرہ نے رونے والی شکل بنا کر ماں کے سامنے حال دل بیان کیا۔
"اچھا وہ کیوں؟" دلشاد بانو نے کمر کے نیچے گاؤ تکیہ لگا کر پوچھا۔
"اسے نکاح پر سونے کا سیٹ چڑھانے کا ارمان جاگا ہے میں نے ٹالنے کے لیے کہہ دیا اتنی جلدی کیا ہے آج تو میں اماں کے ساتھ اپنی خالہ کی طرف جارہی ہوں۔" سائرہ نے ماتھے پر انگلی رکھی۔
"بہت اچھا کیا ایسے ہی ٹالتی رہو وہ تمہاری مرضی کے بغیر کیا کرلیں گے۔" دلشاد بانو نے بیٹی کی پیٹھ تھپکی۔
"یہ ہی تو رونا ہے فوراً بولے چلو تم رہنے دو میں اپنی ہونے والی بہو کو ساتھ لے جاؤں گا ویسے بھی پہننا اسے ہی ہے اچھا ہے اپنی پسند سے خرید لے گی۔" سائرہ نے دوپٹہ کس کر سر پر باندھتے ہوئے جلے بھنے انداز میں شوہر کی نقل اتاری۔
"لو یہ داماد میاں کو ہو کیا گیا ہے۔ بھتیجی کے معاملے میں ایک دم ہی دیوانہ ہوگئے ہیں۔" دلشاد نے برے برے منہ بنا کر کہا۔
"وہ ہی تو ابھی وہ لڑکی بہو بن کر آئی نہیں اور میری اہمیت ختم کر کے رکھ دی بعد میں بھلا کیا ہوگا۔ میں اسی لیے تو اس رشتے کے خلاف ہوں۔" سائرہ نے رونا شروع کردیا۔
"میرے بچے پریشان نہ ہو میں کچھ سوچتی ہوں۔" سائرہ کے رونے پر دلشاد بانو کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، فوراً ذہن دوڑایا۔
"کیوں نہ تم رانی کی بات مان کر ایک بار ملنگی بابا کے پاس چلی چلو دیکھنا ان کی کرامت سے یہ مسئلہ باآسانی حل ہوجائے گا۔" دلشاد بانو نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد بیٹی کو مشورہ دیا۔
"وہ تو ہے مگر اماں مجھے ان باباؤں پر یقین نہیں۔" سائرہ تھوڑا ہچکچائی۔
"پہلے مجھے بھی نہیں تھا مگر دیکھو ان کے عمل کی برکت سے شکیل وہاں جا کر بھی مجھ سے روزانہ فون پر بات

کرتا ہے کہتا ہے اماں میرا بس چلے تو اڑ کر واپس آ جاؤں۔ بہت جلد آپ کو اپنے پاس بلوالوں گا۔‘‘ دلشاد بانو نے چہک کر بیٹی کو بتایا۔

’’واقعی شکیل ایسا بول رہا تھا۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔‘‘ سائرہ بھی خوش ہوگئی۔

’’پتا ہے تھوڑے دن پہلے اس نے اپنے ایک دوست کے ہاتھوں مجھے خرچے کے پچاس ہزار روپے بھیجے ہیں۔‘‘ دلشاد بانو نے سرگوشی میں بتایا۔

’’اماں وہ تو ٹھیک ہے مگر میں ڈرتی ہوں کہ اگر جلال کو یا فائز کو اس بات کی خبر بھی ہوگئی تو دونوں میرا جینا حرام کردیں گے۔ جلال سے تو کچھ بعید نہیں ہاتھ پکڑ کر گھر سے چلتا کردیں۔‘‘ سائرہ کے چہرے پر خوف کے سائے لرزا ٹھے۔

’’اے انہیں کون بتائے گا اس بات کی خبر تو صرف مجھے یا رانی کو ہوگی تو ایک بار چلی چل بعد میں میری طرح رانی کو وہاں بھیج دیا کرنا۔‘‘ دلشاد بانو نے بیٹی کے نزدیک ہو کر مشورہ دیا۔ سائرہ ماں کی باتوں پر ایک نئی سوچ میں پڑ گئیں۔

ریحانہ کو بیٹی کی یہ روش قطعی پسند نہیں آرہی تھی کہ وہ دوڑ دوڑ کر نیچے جائے مگر ایسے موقع پر کچھ بولنا مناسب نہیں تھا اسی لیے شوہر کے سمجھانے پر خاموشی اختیار کرنی پڑی۔ آج کل سفینہ کی کوشش ہوتی کہ وہ فائز اور تایا ابا کے ہر کام خود کرے۔ ان کی پسند کا ناشتہ، کھانا پکاتی، کمروں کی صفائی کرواتی۔ دادا ابا کے کھانے کی ذمہ داری تو اس نے پہلے ہی اٹھائی ہوئی تھی۔

’’تم میری ماں کو رام کرنے کے لیے آج کل کتنی محنت کررہی ہو؟‘‘ فائز ہنستے ہوئے کچن میں رکھے اسٹول پر بیٹھ گیا۔

’’بات سنیں وہ صرف آپ کی مما نہیں، ان سے میرا بھی کچھ رشتہ ہے۔‘‘ سفینہ کو اس کی بات بری لگی تو منہ بنا کر بولی۔

’’ہا...... ہا...... ہا...... اچھا سچ بولنا جب سے ہمارے رشتے کی بات طے پائی ہے تمہیں وہ تائی سے زیادہ ہونے والی ساس نہیں لگنے لگی؟‘‘ فائز کی چھیڑ چھاڑ جاری تھی۔

وہ اسے یہاں استحقاق سے چلتا پھرتا دیکھتا تو من میں سکون چھا جاتا، کتنے دنوں بعد خان ہاؤس کا ماحول تھوڑا بہتر ہونا شروع ہوا تھا۔

’’ایک منٹ فائز تایا ابا اور تائی اماں کو خوش دیکھنا میری شدید خواہش ہے اسے دکھاوے جیسے جذبے سے جوڑ کر آلودہ نہ کریں۔‘‘ سفینہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مضبوط لہجہ اختیار کیا۔ وہ دل ہی دل میں اس پر نثار ہونے لگا۔

’’اچھا اور میرے لیے کیا سوچتی ہے میری سفو؟‘‘ اس کے کان کے نزدیک آکر دھیرے سے پوچھا۔

’’یہی کہ آپ جا کر فضلو سے تازہ سبزیاں لے آئیں تاکہ میں رات کا کھانا پکا سکوں۔‘‘ سفینہ نے ہنستے ہوئے اسے تھیلا پکڑا دیا۔

’’اف دادا ابا یہ کیا غضب کیا کوئی تو مجھے بچائے۔‘‘ فائز نے چہرے پر بیچارگی طاری کرتے ہوئے دہائی دی۔

’’آپ کو کیا ہوا جو درد بھرے انداز میں دادا ابا کو ڈسٹرب کررہے ہیں۔‘‘ اب کی بار سفینہ شرارتی ہوئی۔

’’ایسی بدذوق لڑکی میرے پلے باندھی جارہی ہے جو ایک منٹ میں رومانس کا خاتمہ کرکے سبزیوں پر لے آتی ہے۔‘‘ فائز نے اس کی گوری بانہہ پکڑ کر موڑی۔

"امی! اف اللہ میرا ہاتھ درد کر رہا ہے۔" سفینہ نے چہرہ جھکا کر ایک دم رونے کی ایکٹنگ کی تو فائز گھبرا گیا۔
"کیا ہوا پلیز دکھاؤ تو۔" فائز نے جھک کر اس کے ہاتھ کا معائنہ کیا۔ سفینہ اس کی اتری شکل دیکھ کر پیٹ پکڑ کر ہنستی چلی گئی۔

"شکر تم ٹھیک ہو میں تو ڈر ہی گیا تھا۔" اس کی جان میں جان آئی تو مسکرا کر بولا۔ سفینہ کو فائز کی پریشانی پر ایک دم پیار آیا اس کے بال بگاڑتی ہوئی کچن سے باہر نکل گئی۔

"اندر چلی آئیں بی بی۔" سائرہ نے رانی کی معیت میں جیسے ہی کمرے میں قدم رکھنا چاہا ایک عجیب سا بھبکا ناک سے ٹکرایا وہ جھجک کر پیچھے ہوئیں۔ ایک کھر کھراتی ہوئی گونج دار آواز نے ان دونوں کا استقبال کیا۔ رانی چوکنا ہوگئی۔ رانی کے ساتھ گھسٹتے ہوئے زبردستی اندر قدم رکھا تھوڑی دیر بعد نیم اندھیرے ماحول میں دیکھنے کے قابل ہوسکیں۔ وہاں میلی سی چادر بچھا کر فرشی نشست کا انتظام کیا گیا تھا۔ رانی سائرہ کا ہاتھ تھام کر اس کونے میں جا کر بیٹھ گئی جہاں بابا کی چوکی بچھی ہوئی تھی۔ وہ سر جھکائے ایک کاغذ پر کچھ لکھنے میں مصروف دکھائی دیئے۔ سائرہ نے بیٹھنے کے بعد نگاہیں گھما پھرا کر ماحول کا جائزہ لیا تو اس کا دل گھبرانے لگا۔
"بابا! یہ باجی۔" بابا اپنا کام ختم کرنے کے بعد ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئے تو رانی نے فوراً تعارف کرانا چاہا۔
"کچھ نہ بتاؤ ہم سب جانتے ہیں۔" بابا نے اپنے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔
"آج کل بیٹے کی وجہ سے پریشان ہو؟" انہوں نے آنکھیں بند کی اور دوسرے لمحے کبوتر جیسی سرخ آنکھوں سے سائرہ کو گھورتے ہوئے پوچھا۔
"آپ کو کیسے پتا چلا؟" سائرہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ رانی نے ان کا ہاتھ دبایا۔
بابا نے کوئی جواب نہیں دیا مگر ان کے سیاہ ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ چھا گئی۔ مٹکی میں ہاتھ ڈال کر گلاب کا پھول نکالا اس کا پانی ان دونوں پر چھڑ کا رانی کے تو خوشی کے مارے دانت نکل گئے مگر وہ تھوڑا بدک کر پیچھے ہٹیں۔
"باجی ان کے کرم سے فیض یاب ہوں ایسا نہ کریں۔ کہیں بابا کو برا لگ گیا تو ہم سے بات بھی نہیں کریں گے۔" رانی تھوڑا ناراض ہوکر بولی اور پھول اٹھا کر آنکھوں سے لگانے لگی۔
"او......اچھا......اچھا۔" سائرہ اس ماحول میں خود کو مس فٹ محسوس کر رہی تھیں گڑبڑا کر سر ہلایا۔
"پتا ہے یہاں تک پہنچنے کے لیے لوگوں کو کئی دنوں تک انتظار کرنا پڑتا ہے یہ تو میری سفارش کام آگئی جو ہماری اتنی جلدی ملاقات ہورہی ہے۔" رانی نے سرگوشی کرتے ہوئے سمجھایا تو وہ تھوڑا ایزی ہوکر بابا کی جانب متوجہ ہوئیں۔
وہ تھوڑی دیر بعد اپنے دکھڑے رونے میں ایسی مگن ہوئیں کہ یہاں کا عجیب و غریب ماحول بھی ذہن سے محو ہوگیا۔ بابا کائیاں پن سے ان کے کانوں میں جھولتے ہوئے سونے کے جھمکے دیکھنے لگے۔ ویسے بھی ساری باتیں تو انہیں ازبر تھیں ہمیشہ کی طرح رانی کیس ہسٹری پہلے ہی دے کر جاچکی تھی۔

جب سے فائز نے اسے نکاح کی خوش خبری سنائی تھی سفینہ کے انداز ہی بدل گئے تھے۔ وہ نکھری نکھری سی لگنے لگی کالج کی ساری فرینڈ جب اس کی خوب صورتی کا راز پوچھتے تو جواب میں وہ سب کو فائز کا نام تو نہیں بتاسکتی تھی۔ گلابی لبوں کے نرم گوشوں سے ایک شرمیلی مسکان جھانکنے لگتی۔ دوسری طرف ریحانہ کی راتوں کی نیندیں جیسے اڑن چھو ہوگئیں تھی، اس مسئلے پر تنہائی میں بیٹھ کر بہت سوچا کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو وہ ایک دن بیٹی سے بات کرنے کے ارادہ سے اس

کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ سفینہ کالج سے واپس آ کر یونیفارم پہنے پہنے ہی پشت کے بل بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے برابر میں ٹیڈی بیئر رکھا ہوا تھا جسے وہ تھپکیاں دے رہی تھی۔ یہ سب دیکھ کر ریحانہ کی آنکھیں جلنے لگی پچھلی سال گرہ پر فائز نے اسے یہ نرم سا سفید بالوں والا بھالو گفٹ کیا تھا جسے اب سفینہ جان سے بڑھ کر عزیز رکھتی۔

''امی نے آپ مجھے بلالیا ہوتا۔'' ماں کو دیکھ کر وہ سیدھی ہوگئی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو ریحانہ بٹی کی اس حرکت پر جی بھر کر سناتیں مگر اس وقت ان کا ذہن دوسرے مسئلے میں الجھا ہوا تھا اس لیے ناگواری سے گھورتے ہوئے وہیں بیٹھ گئیں۔

''سوری امی بس ابھی چینج کر کے آتی ہوں۔'' وہ ڈر کے مارے کھڑی ہوگئی۔

''کوئی بات نہیں بیٹھ جاؤ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ماں کی سنجیدہ صورت دیکھ کر وہ سمجھ گئی کوئی خاص بات ہے۔ وہ چپ چاپ بٹی کو دیکھتی رہیں کچھ کہنے کے لیے لب نہیں کھولے سفینہ تھوڑا سا پریشان ہوئی۔

''جی بولیں۔'' سفینہ سے برداشت نہ ہوا تو انہیں ٹوکا۔ ریحانہ کافی دیر سے الفاظ کے چناؤ میں الجھی ہوئی تھیں۔

''سفینہ تم اب بچی نہیں ہو کہ ہر بات کھول کر بتائی جائے۔ بہت ساری باتیں تمہیں بناء کہے بھی سمجھ لینا چاہیے۔'' انہوں نے ایک آہ بھری اور دھیرے سے کہنا شروع کیا۔

''اُفوہ امی آپ پہیلیاں کیوں بھجوا رہی ہیں؟ جو بات بھی کہنا ہے صاف صاف کہہ دیں۔'' سفینہ نے جھنجھلا کر ماں کو دیکھا۔

''میں تمہارے اور فائز کے رشتے کی بات کر رہی ہوں۔ تم جانتی ہو میں ایسا نہیں چاہتی۔'' انہوں نے زچ ہوتی نگاہوں سے بیٹی کو گھورا۔

''او آئی سی اچھا آخر آپ کو اس رشتے پر اعتراض کیا ہے؟'' اس نے پریشان کن نگاہوں سے ماں کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''تمہاری تائی اماں وہ تمہیں ایک دن بھی بسنے نہیں دیں گی۔'' ریحانہ نے بیٹی کے کاندھے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا۔

''امی جہاں تک تائی اماں کی بات ہے بھلے ہی وہ زبان کی تیز ہوں مگر دل کی بہت اچھی ہیں۔'' اس نے ماں کے گلے میں اپنی بانہیں ڈال کر سائرہ کی صفائی دی۔

ویسے بھی وہ دن میں کئی بار فائز کے منہ سے اسی قسم کے جملے سن رہی تھی۔ جو وہ سفینہ کا دل صاف کرنے اور ماں کی حمایت میں بولتا تھا۔

''سفی انسان دل میں جھانک کر تھوڑی دیکھتا ہے، زبان جو کہہ رہی ہوتی ہے، دل توڑنے کے لیے وہ ہی الفاظ کافی ہوتے ہیں۔ تم ابھی بھائی کو اچھی طرح سے جانتی نہیں ہو۔'' ریحانہ نے انگلیاں چٹخا کر کہا۔

''امی، تائی اماں اتنی بھی بری نہیں جتنا آپ انہیں سمجھتی ہیں۔'' اس نے ماں سے لپٹ کر انہیں قائل کرنا چاہا۔

''تم مجھے اس معاملے میں چیلنج نہ ہی کرو تو اچھا ہوگا۔ ویسے بھی تم بہت ساری باتوں سے لاعلم ہو۔ بظاہر تو دلہن دلہن کہتے ان کی زبان نہیں سوکھتی مگر وہ اندر سے کیسی دشمنی پالے رکھتی ہیں۔ یہ مجھے ہی پتا ہے سچ میں بڑی گھنی عورت ہیں۔'' انہوں نے نخوت سے بیٹی کو دور کرتے ہوئے کہا۔

''امی! چھوڑیں نا ان کا عمل ان کے ساتھ ہم کیوں یہاں بیٹھ کر انہیں برا بھلا کہہ رہے ہیں۔'' سفینہ نے دھیرے سے کہا مگر وہ ان سنی کیے ماضی کی باتیں دہراتی چلی گئی، کچھ زخم ایسے ہوتے ہیں جو ہمیشہ ہرے رہتے ہیں، وقت بھی

انہیں بھرنے سے قاصر رہتا ہے۔
"میری شادی کے بعد ان کا دہرا رویہ مجھے ہمیشہ لوگوں کی نگاہوں میں حقیر بنا دیتا۔ وہ بظاہر تو سب کے سامنے بڑے اچھے طریقے سے بات کرتی تھیں، اتنا خلوص دکھاتی کہ کوئی غیر دیکھتا تو فوراً متاثر ہو کر ان کی تعریفیں کرنے لگتا مگر اندر کی کہانی تو مجھے پتا تھی نا جب تک تمہاری دادی جان زندہ رہیں یہ بلاوجہ کے باتیں نکال کر مجھے ان کی نظروں میں گرانے کی کوشش میں مصروف رہیں، وہ تو اماں خود بہت سمجھدار خاتون تھیں کسی کی باتوں میں آنے سے پہلے وہ مجھ سے ہر بات کی تصدیق کر لیتی اسی لیے ان کی سازشوں کا پردہ فاش ہو جاتا تھا۔" ریحانہ نے خلاؤں میں گھورتے ہوئے دکھی لہجے میں گزری باتوں پر سے پردہ اٹھایا۔
"تمہارے ابو جلال بھائی کے مقابلے میں تھوڑے شوخ مزاج کے تھے آفس سے واپسی پر میرے لیے گجرے لاتے اکثر مجھے گھمانے لے جاتے بس اسی وقت ان کے سر میں درد شروع ہو جاتا۔ میں اور تمہارے ابو تیار ہو کر کسی پارٹی میں جاتے تو بلاوجہ کے اعتراض اٹھاتیں، حسد ان کے لہجے اور نظروں سے صاف ظاہر ہوتا تھا، ویسے بھی جانے کیوں یہ تو شروع ہی سے مجھ سے جلتی تھیں۔ جب بھی میرے کمرے میں آتیں۔" ہر چیز پر نگاہ رکھتیں۔
"اس پر قدرت نے انہیں موقع فراہم کر دیا جلال بھائی کا کاروبار ترقی کرتا چلا گیا شروع سے ہی ان کی آمدنی زیادہ تھی جبکہ تمہارے ابو ایک نوکری پیشہ آدمی، ان کی کم تنخواہ پر مجھے بھابی سے کتنی باتیں سننے کو ملتی تم سوچ بھی نہیں سکتی۔" ریحانہ کا لہجہ گلوگیر ہوا تو سفینہ نے ہمدردی سے ماں کو دیکھا۔
"اماں جان کو میں جب بھی ماہانہ خرچ کی رقم دینے جاتی تو یہ فوراً ٹوکتی۔ 'بھئی، تمہارا کیا ہے ایک مخصوص رقم لا کر اماں کو پکڑا کر اپنی جان چھڑا لیتی ہو ساری ذمہ داری تو ہماری ہے۔ اتنا بڑے گھر کا خرچہ آسان نہیں۔ دلہن! اللہ تم جیسی بے فکری کی زندگی سب کو دے۔" ریحانہ نے ان کے لہجے کی ہو بہو نقل اتاری تو سفینہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔
"توبہ ہے امی اچھا تو پھر کیا دادی جان کچھ بولتیں؟" سفینہ نے تجسس سے پوچھا۔
"وہ بے چاری ان کی ناانصافی پر بہت سمجھاتیں مگر کیا فائدہ سدا پلہ تو بھائی کا ہی بھاری رہا، بات بہ بات طعنے دینا ان کا وطیرہ بن گیا تھا، اصل میں وہ اس بات کو مانتی ہی نہیں تھی کہ میں اگر پیسے کم دیتی ہوں تو دوسری طرح سے گھر کے کاموں کا زیادہ بوجھ اٹھا کر ازالہ کی کوشش بھی تو کرتی تھی...... ان کے ظلم کی انتہا تو دیکھو کہ میری شادی کے بعد خرچہ بڑھنے کا شور مچا کر انہوں نے کام والی ماسی کو نکال دیا اتنے بڑے گھر کی صفائی، برتنوں کی دھلائی اور ڈسٹنگ سب میں اکیلے کرتی، ان کے پاس آپریشن کا اچھا بہانہ تھا پھر فائز بھی چھوٹا تھا۔ یوں کم پیسوں کا خمیازہ میں نے کئی سالوں تک بھگتا۔" ریحانہ نے ایک دم بیٹھ کر رونا شروع کر دیا۔
سفینہ نے سر تھام لیا اگر وہ فائز کو اتنی شدت سے چاہتی نہ ہوتی تو ماں کا مان رکھتے ہوئے اس رشتے سے انکار کرنے میں لمحہ نہ لگاتی مگر "اب کیا کروں؟" ماں کی حالت نے اس پر سوچ کے نئے دروازے کھول دیئے تھے۔

"آپ کے اوپر کسی نے سفلی علم کروایا ہے اس کا اتار کروانا پڑے گا۔" دوسری ملاقات میں بابا نے مٹکی میں لمحے بھر جھانکنے کے بعد یہ عقدہ کھولا۔
"سفلی علم......؟ مگر بابا مجھ پر کون سفلی کروائے گا؟" سائرہ نے پریشان ہو کر برابر میں بیٹھی ماں کو دیکھا پھر مٹکی بابا سے پوچھا۔
"بی بی! روحانی علاج گاہ پر آنے سے پہلے شک کو باہر چھوڑ کر آنا تھا۔ ہم جو بھی بتاتے ہیں، اپنی طرف سے نہیں

بتاتے بلکہ موکلوں سے پوچھ کر بتاتے ہیں۔انہوں نے تو یہ ہی بتایا کہ تمہارے اوپر بہت ہی خطرناک قسم کا سفلی علم کروایا گیا ہے۔جس کا اگر توڑ نہ کروایا گیا تو جان بھی جانے کا خدشہ ہے۔'' ملکی بابا کی کھرکھراتی آواز کمرے میں گونجی۔وہ دونوں ایک دم گھبرا گئیں۔سبز لمبے چوغے میں ملبوس ایک چیلی نے ان کے سر پر مور چھل مارا یہ ایک طرح سے ان کے لیے تنبیہ تھی۔

''دیکھو بی بی ہمیں کسی چیز کا لالچ نہیں ہم تو دنیا میں دکھی انسانیت کی خدمت کرنے کے لیے ہی آئے ہیں یہ سب باتیں بھی پتا چلی ہیں کہ تم آج کل جو پریشان ہو تمہارے کاموں میں بلاوجہ کی رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے گھر میں بے برکتی سی چھائی ہوئی ہے شوہر سے اَن بن رہنے لگی ہے اور سب سے بڑھ کر اکلوتا بیٹا ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے...... ان سب کے پیچھے یہ ہی وجہ ہے۔'' بابا ہاتھ اٹھا کر بولتے چلے گئے۔یہ سن کر وہ ایک دم گھبرائیں۔واقعی اُن کے ساتھ ایسا ہی تو ہو رہا تھا۔

''اچھا بابا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ میری معصوم بچی کے پیچھے کون کمبخت پڑا ہے۔'' دلشاد بانو سے بیٹی کی اتری صورت دیکھی نہیں گئی، ادب سے پوچھا۔

''بس بی بی اس میں برائی کا خدشہ ہے۔اسی لیے ہم کسی کا نام نہیں بتاتے مگر اتنا اشارا دے سکتے ہیں کہ کوئی بہت قریبی کوئی رشتے دار ایسا کروا رہا ہے۔'' ملکی بابا نے آنکھیں بند کر کے جھومتے ہوئے جواب دیا۔

پلیز بابا نام تو بتا دیں۔'' سائرہ نے لجاحت سے کہا۔

''نام کو چھوڑو اپنی جان بچانے کی فکر کرو، اب ملاقات کا ٹائم ختم ہو گیا ہے، اگلی دفعہ آنا تو کال کر کے ٹائم لے لینا، ہم سات دن کا چلہ کاٹنے جا رہے ہیں۔'' انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے جانے کے لیے کہا خود چوکی سے اتر کر کھڑے ہو گئے۔

''بابا کس نمبر پر کال کروں اور وہ میرے مسئلے کا حل؟'' سائرہ ایک دم گھبرا کر کھڑی ہوئی، دلشاد نے بھی گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھنے کی کوشش کی۔

''اچھا ہوا یاد دلا دیا۔چلے کے بعد ہمارے موکلوں کی حاضری ہوگی۔بس ان سے پوچھ کر بتائیں گے، اس سفلی کا توڑ کیسے کیا جائے گا۔'' بابا نے بے رخی اختیار کی اور مڑ گئے۔

''بابا......'' وہ دونوں پکارتی رہ گئیں، وہ اپنی ملکی بغل میں دبائے اندر والے حجرے میں غائب ہو گئے۔

''چلو بی بی آپ کا وقت ختم ہو گیا۔'' چیلی نے انہیں باہر جانے کا اشارہ دیا اور چندے کا بکس آگے بڑھا دیا ماں بیٹی کے چہرے پر مایوسی کے بادل چھا گئے۔دلشاد بانو نے ہزار کا کڑکتا نوٹ دان کیا اور بیٹی کا ہاتھ تھام کر باہر جانے کے لیے قدم بڑھائے۔

''یہ رکھ لو سات دن سے پہلے نمبر نہ ملانا۔'' اچانک چیلی نے پیچھے سے سائرہ کا بازو پکڑا اور جھومتے ہوئے ہدایت دینے کے ساتھ ایک پرچی پکڑائی۔

سائرہ نے باہر نکلتے ہی پرچی کھولی، اس پر ایک موبائل نمبر لکھا تھا۔وہ خوش ہو گئی۔دونوں ماں بیٹی سڑک پر آ کر رکشہ تلاش کرنے لگیں۔

''سفلی علم مجھ پر کون کروا سکتا ہے؟'' رکشے میں بیٹھتے ہی سائرہ کا ذہن بڑی تیزی سے چلنے لگا' شک کا بیج جوان کے دماغ میں بو دیا گیا تھا' وہ لمحوں میں تناور درخت بن گیا تھا۔

سفینہ اس پوری شام بند کمرے میں بیٹھی خود کو تسلیاں دیتی رہی تھی، مگر اضطراب کم ہونے کی جگہ بڑھتا چلا گیا۔ اس نے تھک ہار کر آنکھیں بند کرلیں۔ وہ سدا سے اپنی فیملی کے لیے بے حد حساس اور کسی حد تک پاگل واقع ہوئی تھی، مگر جب سے ماں نے پہلی بار اس کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھا ایک نئی فکر میں مبتلا کردیا، ایسا نہیں تھا کہ وہ سائرہ جلال کے مزاج سے آشنا نہیں تھی تاہم ریحانہ نے اس سے قبل ان کے بارے میں بیٹی سے اس طرح سے بات نہیں کی تھی۔

ماں کی آنکھ سے نکلنے والا آنسو، اس کے دل پر جا گرا یوں لگا، جیسے ریحانہ کا دکھ درد اس کے اندر سماتا چلا گیا ہو۔ گلابی ہوتی آنکھوں میں دھواں سا پھیلنے لگا اور وہ افسردہ سی اپنی روم میں داخل ہوئی کارنس پر اس کا ٹیڈی بیئر رکھا ہوا تھا۔ بے اختیار اسے اٹھایا، وہ اس کی تنہائی کا ساتھ بنا رہتا۔ سائیڈ میں رکھی راکنگ چیئر پر بیٹھ گئی، ٹیڈی بیر کو گود میں رکھا اور اپنی سوچوں میں گم ہوگئی۔

''اوپر والے نے بھی میرا کیسا نصیب بنایا، ایک طرف فائز کی محبت اور دوسری طرف کس قدر کٹھنائیوں اور دشوار گزار راستوں کا سامنا...... یہ کیسی بے بسی ہے نہ میں اس کی بے تحاشہ محبت کو قبول کرنے سے انکار کرسکتی ہوں نہ ہی ماں کے خلاف جا کر اس کا ہاتھ تھام سکتی ہوں۔'' اس نے کرسی کے دستے کو اتنی زور سے پکڑا کہ سفید انگلیاں سرخ پڑ گئیں۔

''کبھی کبھی ہمارے اپنے بھی کتنے سنگ دل ہوجاتے ہیں؟ ان کی آنکھوں پر نفسانفسی اور خود غرضی کا ایسا پردہ پڑ جاتا ہے کہ سچائی دکھائی نہیں دیتی۔ بھلا ان حالات میں ہمارا پیار کیسے پنپ پائے گا، اس گھٹن زدہ ماحول میں تو محبت کا سانس لینا بھی دشوار ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ محبت کا نوخیز وجود مرجھا جائے اور ہمارے ہاتھ خالی رہ جائیں۔'' وہ عالم وحشت میں ایک دم کھڑی ہوگئی ٹیڈی بیر گود سے گر گیا اور شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''محبت کی بقاء صرف ملن میں ہی تو پوشیدہ نہیں اگر امی دل سے راضی نہیں تو انکار بھی کیا جاسکتا ہے۔'' سفینہ نے ہاتھ ملتے ہوئے سوچا اور جھک کر ٹیڈی کو اٹھا کر کاندھے سے چپکایا۔

''کون سا طوفان آجائے گا اگر میں فائز کی نہ بن سکوں گی، بس اتنا ہی ہوگا کہ عمر بھر کسی دوسرے سے شادی نہیں کروں گی۔'' اس کے دماغ میں ایک اور خیال جاگا وہ اس وقت جذبات کی زد میں آکر الٹا سیدھا سوچے جارہی تھی۔

''اور اگر فائز سچ مچ مجھ سے جدا ہوگیا تو کیا میں جی سکوں گی؟'' اس کی سوچ نے ایک اور پینترا بدلا۔ فائز سے جدائی کا سوچ کر ہی سانس بند ہونے لگی، سینے میں گھٹن کا احساس بڑھتا چلا گیا، وہ بے اختیار کھانسنے لگی۔

''دادا جان ہیں نا وہ ہم دونوں کا برا ہونے نہیں دیں گے۔'' پانی پیتے ہوئے ایک نئی تاویل سے اس نے خود کو تسلی دی۔ پوری شام وہ خود کو بہلانے میں لگی رہی مگر کوئی فیصلہ نہ کر پائی۔ اتنے میں ریحانہ نے اسے کھانا کھانے کے لیے پکارا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

پچھلے کئی دنوں سے موسم بے انتہا خوش گوار ہوگیا تھا شام ہوتے ہی بادل آسمان پہ آنکھ مچولی کھیلنے لگتے جس کی وجہ سے ٹھنڈی ہوائیں چلتی، کبھی ہلکی ہلکی بارش بھی ہوجاتی، جس سے درختوں کے دھول سے اٹے پتے نہا کر سبز و تر و تازہ ہوجاتے۔ فضاء کی گرد و غبار بھی ڈھل جاتا تو ہر چیز کی چمک بڑھ جاتی۔

فائز سو کر اٹھا تو واش روم میں فریش ہونے چلا گیا، تازہ دم ہوکر باہر نکلا بڑے کمرے کے دریچے سے جھانکا کالی گھٹا نے ایک دم سے آسمان پر قبضہ جمالیا۔ پہلے بوندا باندی شروع ہوئی پھر دیکھتے ہی دیکھتے تیز موسلا دھار بارش میں ڈھل گئی، فائز نے شفاف گلاس وال کے پار سے برستی بارش کو دیکھتے ہوئے سفینہ کو یاد کیا۔ یہ ساون کی ایک بہت خوب صورت بارش تھی۔ وہ چھاجوں چھاج برستی بارش کا مزہ لوٹنے ٹیرس پر چلا آیا۔ خان ہاؤس کا پہلی منزل پر بنا ہوا یہ ٹیرس

دونوں فیملیز کے مشترکہ استعمال میں رہتا۔ وہ ریلنگ تھام کر کھڑا ہوا تو سرد ہواؤں نے ہاتھ پھیلا کر اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ٹپ ٹپ گرتی بوندوں کی جل ترنگ پر دل ایک نئی لے پر جھومنے لگا سفینہ کی ایک جھلک دیکھنے کی خواہش من میں جاگی۔

''نہ تو آئے گی نہ ہی چین آئے گا۔'' وہ گنگناتے ہوئے مسلسل گرل کے پار دیکھ رہا تھا جہاں بہزاد خان کا پورشن واقع تھا، مگر وہاں سناٹا پڑا ہوا تھا۔ فضاء میں ٹھنڈ بڑھ گئی۔ وہ جو صرف بلیک ٹی شرٹ پہنے ہوا تھا، ایک دم کپکپایا سردی سے بچنے کے لیے اپنے ورزشی بازوؤں کو سینے کے گرد لپیٹے مگر کچھ خاص فرق نہیں پڑا۔ اتنی وقت اٹھانے کے باوجود سفینہ کی ایک جھلک بھی نہ نظر آئی کہ دل کو افاقہ ہوتا، اتنے پیارے موسم میں وہ جانے کہاں مصروف تھی، اس نے باہر جھانک کر دیکھا، سڑک پر کچھ بچے بارش کے پانی میں کھیل رہے تھے، کاغذ کی کشتیاں بنا کر مقابلہ کرایا جا رہا تھا، تیز چلنے والی ہوا کے دوش پر مچلتی ہوئی کشتیاں تھوڑی دور جا کر پانی میں ڈوب جاتیں تو بچے نئی کشتی بنانے میں جت جاتے۔ فائز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، اسے اپنا اور سفینہ کا بچپن یاد آ گیا، جب آسمان بھی طلسماتی دنیا کا حصہ دکھائی دیتا تھا، سرمئی بادلوں کے ساتھ تصورات میں کئی اشکال آ جاتیں، کوئی ہاتھی لگتا تو کوئی پرندہ، وہ دونوں سبز گھاس پر لیٹ کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے ایک دوسرے کو انگلی سے اشارہ کر کر کے دکھاتے اور خوش ہوتے اس وقت زندگی کا مقصد ہی کھیل کود تھا۔ بارش کے پانی میں بھیگنے کے بعد جب سنہری مٹی کا رنگ سیاہ پڑ جاتا تو وہ دونوں جیم کی خالی ہونے والی شفاف بوتل ہاتھ میں تھامے محلے کے سارے بچوں کے ساتھ مل کر ایک نئی مہم پر نکل پڑتے کسی باغ میں جا کر مٹی میں ہونے والے چھوٹے چھوٹے سوراخوں سے مخملیں سرخ رنگ کی بیر بہوٹی کو بڑی جدوجہد کے بعد تلاش کرتے جمع کر کے بوتل میں سنبھال کر بند کیا جاتا، جو سب سے زیادہ تعداد میں اس مخملیں کیڑے کو جمع کر لیتا، وہی اس مہم کا ونر قرار پاتا، واپسی میں اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ سر اٹھا کر چلتا، جو بیچارہ ایک بھی نہیں ڈھونڈ پاتا، سب مل کر اس کا جی بھر کر مذاق اڑاتے۔

بارش بند ہونے کے بعد درختوں کے پتوں پر جب پانی ٹھہر سا جاتا تو کوئی بھی لڑکا درخت کو زور زور سے ہلا کر پانی برساتا، باقی سب مل کر اس مصنوعی بارش کا لطف اٹھاتے خوب قہقہے لگائے جاتے بلاوجہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوشیاں منائی جاتیں۔ جوانی میں قدم رکھتے ہی جیسے ان کی معصوم سی دنیا کہیں کھوگئی، تلخ حقائق نے زندگی کے معنی و مقصد ہی بدل دیئے، بارش اب بھی ہوتی ہے مگر وہ فطری خوشی جیسے کھو سی گئی تھی۔ فائز ایک جگہ کھڑے سوچتے ہوئے سردی سے جم سا گیا، ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا تو اس نے بچنے کے لیے ٹہلنا شروع کر دیا۔ اچانک سائرہ فائز کو ڈھونڈتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلی آئیں۔

''مما خیریت ہے آپ یہاں کیوں آ گئیں؟ کافی ٹھنڈ ہو رہی ہے۔'' وہ ماں کو اپنے پاس کھڑا دیکھ کر پہلے تو حیران ہوا اس کے بعد نرمی سے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''ہاں تم تو چاہ رہے ہو گے۔ میں یہاں نہ آؤں تاکہ تمہیں کھل کر کھیلنے کا موقع مل سکے۔'' سائرہ نے چبا چبا کر کہا، وہ بہت دنوں سے بیٹے کی حرکتوں کو برداشت کرتے ہوئے من میں پیچ و تاب کھا رہی تھیں۔

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں، میں سمجھا نہیں۔'' فائز نے ریلنگ سے جھک کر باہر کا نظارہ کرتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

''ادھر دیکھو میری طرف آج کل تم سفینہ کے اردگرد جو پروانے بنے پھر رہے ہو، مجھے یہ بات قطعی پسند نہیں۔'' ان کا لہجہ بتدریج بڑھتا چلا گیا۔

"آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"اس گھر میں کیا ہو رہا ہے میں ان سب سے بے خبر نہیں۔ اندھی نہیں ہوں۔ اپنی آنکھوں سے سب دیکھ رہی ہوں۔" وہ بیٹے پر چنگھاڑیں۔ فائز نے افسوس سے سر ہلایا اور ماں کے مقابل آ کر کھڑا ہوا۔

"مما......! پلیز۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں سمجھانا چاہا مگر سائرہ الٹا اس کی بات کاٹ کر بولیں۔

"میری ایک بات کان کھول کر سن لو تم دادا پوتا مل کر جو پلان بنا رہے ہو میرے جیتے جی تو وہ پورا ہو نہیں سکتا۔ میرے مرنے کے بعد البتہ اپنا یہ شوق پورا کر لینا۔" سائرہ جلال کا اشتعال اور غصہ دیکھنے کے لائق تھا، فائز ماں کی بات پر ہکا بکا رہ گیا۔

"مما! آپ یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ اللہ پاک آپ کا سایہ ہمیشہ میرے سر پر قائم رکھے۔" فائز نے افسوس بھری نظروں سے ماں کو دیکھا۔

"بیٹا! میرا ذہن اسے کبھی بہو کے روپ میں قبول نہیں کرے گا۔ تم ہم دونوں میں سے ایک کو چن لو۔" سائرہ کا لہجہ طنز کے زہر سے نیلا ہوا۔

"یا اللہ! اب یہ کون سی نئی آزمائش شروع ہوگئی؟" فائز نے آسمان کی طرف دیکھ کر ٹھنڈی آہ بھری۔

"سفینہ اچھی لڑکی ہے وہ آپ لوگوں کو خوش رکھے گی۔ اس بارے میں ایک بار ٹھنڈے دل سے سوچ کر تو دیکھیں۔" فائز نے ماں کا ہاتھ تھام کر پیار سے کہا۔

"خاموش ہو جاؤ۔ مجھے اب مزید کوئی بات نہیں کرنی اور نہ ہی کچھ سوچنا ہے۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" سائرہ تن فن کرتیں وہاں سے اٹھ گئیں۔ فائز نے غصے سے اپنا ہاتھ دیوار پر دے مارا۔ وہ بے بسی کی کیفیت میں الجھتا چلا گیا۔

"بی بی یہ کام تھوڑا مشکل ہے۔" بابا نے مٹکی میں تیرتے گلاب کے پھول کو چھو کر کہا۔ چھوٹے سے کمرے میں پھیلی اگربتی اور پھولوں کی مہک بھی اس عجیب سی دل گھبرانے والی بو پر حاوی نہیں ہو پا رہی تھی، جس نے روحانی علاج گاہ کو اپنے حصار میں لیا ہوا تھا۔

"بابا! کوئی تو حل ہوگا۔" سائرہ نے بے چینی سے پہلو بدل کر پوچھا، ان کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔ اگر مجبوری نہ ہوتی تو وہ لمحہ بھر کے لیے بھی یہاں نہ ٹھہرتیں۔

"ہونہہ...... ایک کام ہو سکتا ہے مگر اس میں کچھ خرچہ کرنا پڑے گا۔" بابا نے کچھ دیر سوچنے کے بعد خوش خبری سنائی۔

"ٹھیک ہے آپ کام شروع کریں۔" سائرہ کے چہرے پر اطمینان کی لہر چھائی۔

"سوچ لو ہمیں اس کے لیے اپنے موکلوں کی حاضری کروانی ہوگی۔ یہ ایک بہت خاص عمل ہے۔" مٹکی بابا نے اپنے سامنے بیٹھی سائرہ کو دیکھ کر جھومتے ہوئے کہا۔

"آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ بس کسی طرح سے میرے بیٹے کا پیچھا اس لڑکی سے چھڑوا دیں۔" سائرہ نے ہاتھ ملتے ہوئے دانت کچکچا کر کہا، وہ آج پکا تہیہ کر کے آئی تھی یہاں سے اپنے مسئلے کا حل لے کر اٹھیں گی۔

"سوچ لو بی بی! اس کام میں زیادہ رقم بھی خرچ ہو سکتی ہے۔" بابا نے اپنی سرخ آنکھوں سے سائرہ کو جانچا۔

"کتنے پیسے خرچ ہوں گے؟" سائرہ نے تھوڑا جھجک کر پوچھا۔

"سب جانتے ہیں کہ ہم سارے عمل اللہ واسطے کرتے ہیں، کام کرنے کا ایک پیسہ بھی نہیں لیتے مگر اب کیوں کہ موکل کی حاضری کروانی ہے تو زعفران سے لکھے تعویز جلانے ہوں گے، اصلی مشک و عنبر خریدنا ہوگا اور بھی دیگر لوازمات

سجانے پڑتے ہیں جب جا کر موکلوں کی حاضری ہوتی ہے۔'' بابا نے آنکھیں بند کر کے کچھ دیر تک سوچنے کے بعد کہا۔

''اچھا اس میں کتنا خرچہ ہوگا؟'' سائرہ نے اب کی بار مرے دل سے پوچھا، وہ جانتی تھی کہ ان چیزوں کی قیمتیں آسمان سے باتیں کررہی ہیں۔

''ویسے تو جتنا گڑ ڈالو نتیجہ اتنا ہی اچھا ہوتا ہے مگر تم کیوں کہ رانی بہن کے ساتھ آئی ہو تو ایسا کرو دس ہزار دے جانا، باقی ہمارے پاس جو پرانا سامان پڑا ہے اسے ہی استعمال میں لے آئیں گے۔'' ملنگی بابا نے مکاری سے سائرہ کو گھیرا۔

''بابا! یہ پیسے تو بہت زیادہ ہیں۔'' سائرہ کے لیے وجہ بتائے بغیر اتنے پیسے جلال خان سے نکلوانا ایک مشکل امر ہو جاتا، اسی لیے وہ تھوڑا الجاحت سے بولی۔

''ایسا کرو ایک اور عمل ہے جس میں ہمیں پوری رات کھڑے ہو کر ایک پڑھائی کرنی ہوگی وہ کروالو ہم اس کے لیے تم سے ایک پیسہ نہیں مانگیں گے۔'' بابا نے ملنگی ہلاتے ہوئے مکاری سے مشورہ دیا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے آپ وہ ہی عمل پڑھ دیں۔'' سائرہ یہ سن کر خوش ہوگئی، فوراً ہی رضامندی دے دی۔

''ٹھیک ہے مگر ایک بات کا دھیان رکھنا اگر تمہارا بیٹا ہاتھ سے نکل گیا تو ہم سے آ کر نہ کہنا کیوں کہ اس عمل کی ہم کوئی ذمہ داری نہیں اٹھاتے۔'' بابا کی کائیاں پن اور بدفطرتی چہرے سے عیاں ہو رہی تھی مگر سائرہ کی آنکھوں پر تو نفرت کی پٹی بندھ چکی تھی کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''ایسا نہ بولیں بابا ٹھیک ہے آپ جیسا چاہیں عمل کریں میں پیسے ادا کردوں گی۔'' سائرہ کے دل میں ہول اٹھنے لگے انہوں نے نیم رضامندی سے سر ہلایا۔

''اس وقت تو میرے پاس اتنے ہی روپے ہیں۔'' سائرہ نے پرس میں ہاتھ ڈال کر تین ہزار گن کر بابا کے سامنے رکھ دیئے۔ انہوں نے ایک نظر ڈال کر منہ پھیر لیا۔

''دیکھو ہم کسی کو جان بوجھ کر پریشانی میں نہیں ڈالتے۔ یہ پیسے ہمیں نہیں چاہیے کیوں کہ اتنے پیسوں سے کام نہیں چلے گا اٹھالو۔'' بابا نے بڑی انکساری سے انکار کیا اور نوٹ ان کے سامنے پھینک دیئے۔

''ٹھیک ہے آپ عمل شروع کریں میں باقی پیسے رانی کے ہاتھ جلد ہی بھجوادوں گی۔'' سائرہ نے اٹھتے ہوئے انہیں تسلی دی۔

❁ .... ❁ .... ❁

موسم سرما کی اس یخ بستہ رات میں نیند ریحانہ کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، انہوں نے سر اٹھا کر شوہر کو دیکھا جو کمپیوٹر ٹیبل کے پاس کرسی بچھائے، آفس کے کسی کام میں مشغول تھے، ریحانہ کا موڈ آف ہوگیا بہزاد نے پروانہ کی اور کی بورڈ پر مہارت سے انگلی چلاتے رہے۔ وہ تھوڑی دیر تک انہیں دیکھتی رہیں مگر جب کوئی رسپونس نہیں ملا تو تکیہ پر سر رکھ کر دوبارہ سونے کی کوششوں میں مصروف ہوگئیں، نیند تو کیا خاک آتی پرانی باتیں ان کے دماغ پر دستک دینے لگیں۔

آہستہ سے پٹ کھولے یادوں کا ایک ہجوم سا بناء کسی روک ٹوک کے اندر داخل ہوتا چلا گیا اپنے بچپن کی معصوم شرارتیں یاد آئیں تو ہنسی آگئی، جوانی کی کھٹی میٹھی سی باتیں پھر بہزاد سے شادی کا ہونا، شرمیلی سی مسکراہٹ لبوں پر چپک گئی۔ جٹھانی کے زیر تسلط گزارے ہوئے دن کیا یاد آئے منہ میں کونین کی گولی کھل گئی پورا وجود کڑوا ہوگیا۔

''میں اپنی بیٹی کو ایسی زندگی بسر نہیں کرنے دوں گی۔'' ریحانہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئیں، سانس تیز تیز چلنے لگا۔ کچھ اور نہیں سوجھا تو اٹھ کر شوہر کے پاس گئیں اور ماؤس پر ہاتھ رکھ دیا۔ بہزاد چونکے چشمے کی اوٹ سے بیوی کو گھورا۔

''سب مل کر بلاوجہ ایک بات کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔'' وہ ہمت کر کے بولیں۔

''آپ کا مقصد کیا ہے ذرا کھل کر بیان کریں؟'' بہزاد نے بھنویں اچکا کر بیوی کو تنبیہی نظروں سے گھورا اور سامنے کھلی فائل سیو کرنے کے بعد پوچھا۔

''میں صرف ایک بات کہنا چاہتی ہوں کہ ہماری بیٹی خدانخواستہ لولی لنگڑی یا عیب دار نہیں اور نہ ہی دنیا میں اس کی شادی کے لیے صرف ایک لڑکا فائز ہی بچا ہے۔'' اس بار انہوں نے شوہر کے برابر میں رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے دھیما انداز اختیار کیا اور ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

''آپ کی بات ٹھیک ہے اس کے باوجود میں سفینہ کی شادی فائز سے ہی کروں گا۔'' بہزاد نے چڑ کر فیصلہ سنایا۔

''کیسے باپ ہیں آپ؟ اپنی بڑی بھابی کے مزاج کو اچھی طرح سے پہچانتے ہیں، انہوں نے ساری عمر میری ناک میں کوڑی پہنا کر رکھی اب سفینہ کو بہو بنا کر اس کی زندگی عذاب کر دیں گی۔ اس کے باوجود اس رشتے پر خوشی منا رہے ہیں۔'' ریحانہ نے شوہر کو گھورتے ہوئے احتجاج کیا۔

''اونہہ آپ کی بات بھابی کی حد تک تو ٹھیک ہے مگر میری نظر دوسری اہم باتوں پر ہے۔'' بہزاد کی پرسوچ نگاہیں ان پر اٹھیں۔

''وہ کیا؟'' ریحانہ نے طنز سے پوچھا۔

''آپ یہ کیوں نہیں سوچتی کہ اس گھر میں صرف بھابی ہی نہیں بھائی جان بھی رہتے ہیں جو شروع سے ہم دونوں سے زیادہ سفینہ کو چاہتے آئے ہیں، دوسری بات فائز گھر کا دیکھا بھالا لڑکا ہے۔ ہمیں اس کے لیے کسی قسم کی ضمانت کی ضرورت نہیں ہوگی تیسری اور سب سے اہم بات۔ ہمارے کون سے چھ سات بچے ہیں ایک ہی بیٹی ہے وہ شادی کے بعد ہماری نظروں کے سامنے رہے گی، میں نہیں سمجھتا کہ سفینہ کے لیے کوئی ایسا آئیڈیل گھرانہ آپ ڈھونڈ سکتی ہیں۔'' بہزاد نے ریحانہ کو مثبت پہلو دکھانا چاہے مگر وہ اس معاملے میں کچھ سننے کو تیار نہ تھیں۔

''آپ کچھ بھی کہیں مگر میں سفینہ کی شادی یہاں ہونے نہیں دوں گی یہ ساری خوبیاں بھابی کی بدمزاجی پر بھاری ہیں۔'' ریحانہ نے نروٹھے پن سے ہاتھ اٹھا کر کہا تو بہزاد خان کا غصہ بھی عود آیا۔

''مجھے آپ عورتوں کی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے جو ہمیشہ منفی باتوں کو سینے سے چمٹائے مثبت چیزوں کو زندگی سے دور کر دیتی ہیں۔ خیر اس بارے میں ابا جان فیصلہ کر چکے ہیں اس لیے ہمارے کہنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں بچی ہے۔ اب تو آپ بھی نکاح کی تیاریاں شروع کر دیں۔'' بہزاد خان نے فیصلہ سنایا اور پاس رکھا ہوا اخبار اٹھا کر مطالعہ میں مصروف ہو گئے، یہ ایک طرح سے ریحانہ کے لیے اشارہ تھا کہ اب وہ مزید کچھ اور سننا نہیں چاہتے۔

''میں بھی دیکھتی ہوں۔ سفینہ کی شادی میری مرضی کے بغیر کیسے ہوتی ہے؟ یہ لوگ ابھی بھابی کو ٹھیک سے سمجھتے نہیں مگر میں ان کو اچھی طرح سے پہچان گئی ہوں، وہ ایک دن بھی میری بیٹی کو چین سے بسنے نہیں دیں گی۔'' ریحانہ نے ٹیبل پر رکھا ہوا چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے پریشانی سے سوچا اور دل میں ایک عزم کیا۔

سفینہ نے یک ٹک سورج کے ڈوبنے کا منظر دیکھا ایک وہم سا دل میں اٹھا یوں لگا اس کے ساتھ ساتھ ان کی خوشیاں ان کی چاہت بھی ڈوب جائے گی۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے تنہائی میں وقت گزارنے کا سوچ کر چھت پر چلی آئی، بادلوں کی اوٹ سے مہتاب نکل آیا جس کی روشنی ہمیشہ اس کے دل کو سکون بخشتی تھی۔ لیکن آج دل اس کی ہر دھڑکن تو ایک المیہ گیت بن کر بکھر رہی تھی۔ وہ ساری باتیں بھول نہیں پا رہی تھی۔ شام کو کتنی خوش خوش تایا ابا کے لیے ان

کی پسند کا گاجر کا حلوہ بنا کر نیچے لے کر گئی مگر وہاں سے حلق تک کڑوی ہو کر لوٹی۔ سفینہ دس بار اس منظر کو اپنے خیالوں کے پردے پر لہرا چکی تھی، گیارھویں دفعہ پھر ان درد بھرے لمحوں کو سوچا اور نئی اذیت کا شکار ہوئی۔
''بس مجھے کچھ اور نہیں سننا تم خود سے اس شادی سے انکار کرو گے ورنہ میرا مرا ہوا چہرہ دیکھنے کے لیے تیار رہنا۔'' سائرہ کا لہجہ حد سے زیادہ سرد اور چٹانوں کی سختی لیے ہوئے تھا۔
ٹیرس میں آتی ہوئی سفینہ کے کانوں میں یہ بات پڑی تو وہ اپنی جگہ پہ تھم سی گئی۔ سائرہ کی باتیں اس کے لیے شدید حیرت اور اچنبھے کا باعث بن گئیں۔
''مما! پلیز آپ کیوں نہیں سمجھ رہیں اگر سفینہ سے میری شادی نہیں ہوئی تو میں مر جاؤں گا۔'' فائز ماں کی باتوں پر زچ ہو کر بولا۔
''کوئی کسی کے پیچھے نہیں مرتا ویسے بھی تم اس لڑکی کے لیے اپنی ماں کو جھٹلا رہے ہو۔'' سائرہ کے انداز میں حقارت تھی۔
''مما! وہ لڑکی میری کزن بھی ہے۔ اس خاندان کی عزت پلیز اس کا ذکر یوں نہ کریں۔'' فائز نے ماں کا ہاتھ تھام کر سمجھانا چاہا مگر انہوں نے جھڑک دیا۔ کشیدگی اب ان دونوں کے چہروں سے عیاں تھی۔ سفینہ کا دل لرزنے لگا۔ ڈرتے ڈرتے ایک نظر تائی اماں کے چہرے پہ ڈالی۔ ان کے چہرے کے پتھریلے تاثرات دیکھ کر وہ ہلدی کی طرح زرد پڑ گئی۔
''اچھا ہوا تم نے ہماری باتیں سن لیں۔'' سائرہ اندر جانے کے لیے مڑیں تو سفینہ کو سامنے کھڑا دیکھ کر ان کے چہرے پر ناگواری کے گہرے تاثرات ابھر آئے۔
''وہ...... یہ...... حلوہ......'' اس نے گھبرا کر پیالہ آگے کیا۔
''ایک بار کان کھول کر سن لو تم جو میری بہو بننے کے خواب دیکھ رہی ہو یہ بات خواب ہی رہے گی میں اسے کبھی بھی حقیقت بننے نہیں دوں گی، کم از کم اپنی زندگی میں تو نہیں۔'' سائرہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے وارننگ دی اور دھڑ دھڑ کرتی اندر چلی گئیں۔ ایسی غیر متوقع بات سن کر وہ دونوں چپ ہی رہ گئے۔
''سفینہ! وہ۔'' اسے یوں دم سادھے کھڑا دیکھ کر فائز کا وجود شرمندگی کی عمیق کھائی میں گرتا چلا گیا۔
''فائز صاحب' آپ نے تائی اماں کا فیصلہ سن لیا، امید ہے کہ اس معاملے پر مزید کوئی بات نہیں ہوگی۔'' اس نے فائز کی بات کاٹتے ہوئے دھیمے لیکن سرد لہجے میں باور کروایا۔
فائز کا ندامت سے جھکا ہوا سر دیکھ کر اگرچہ سفینہ کو افسوس ہوا لیکن اس نے اپنے رویے میں کسی قسم کی لچک ظاہر نہ ہونے دی۔ سائرہ جلال کی باتوں سے اس کے دل پر جو چرکے لگے تھے، ان سے اٹھنے والی ٹیسوں نے اس کے وجود کو بے حال کر دیا وہ اس سے کتراتی اوپر جانے والی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔ یہی وجہ تھی جو سفینہ نے اپنی محبت کو دل کے نہاں خانوں میں مقید کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اس فیصلے پہ زخم زخم ہوئی پر اس نے گلابی لبوں کو سختی سے بھینچ کر اپنے جذبوں کو اندر ہی اندر کہیں کچل دیا۔

❋......❋......❋

''تم جا کر بابا کو یہ پیسے دے دینا اور بتانا میرے حالات دن بہ دن بگڑتے جا رہے ہیں، بیٹا مجھ سے دو دن سے بات نہیں کر رہا اس لیے ان کو جو عمل بھی کرنا ہے وہ ذرا جلدی کر لیں۔'' سائرہ لشتم پشتم ماں کے گھر پہنچی اور فوراً رانی کو کمرے میں بلا کر ہدایت دی۔ رانی نے ہزار ہزار کے سات نئے نوٹوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا۔
''باجی آپ فکر ہی نہ کرو میں آج ہی جا کر دے آؤں گی۔'' رانی نے دانت نکالتے ہوئے پیسے اپنی مٹھی میں دبائے۔

’’رانی ایک بات تو بتاؤ یہ بابا قابل اعتبار تو ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ پیسے بھی رکھ لیں اور میرا کوئی کام بھی نہ ہو۔‘‘ ان کے خدشے زبان تک آ ہی گئے۔

’’باجی توبہ کرو جلدی سے اللہ والے لوگ ہیں۔ ان پر شک کرنا گناہ ہے کیوں اپنی شامت کو آواز دیتی ہو۔ دیکھا نہیں انہوں نے اپنے آستانہ کا نام ’’روحانی علاج گاہ‘‘ رکھا ہے۔ وہ دکھی لوگوں کے زخموں کا علاج کرتے ہیں۔‘‘ رانی نے جلدی سے گال پیٹتے ہوئے سائرہ کو تنبیہ کرتے ہوئے بات بنائی۔

’’میرا مطلب وہ نہیں تھا مگر پھر بھی اتنے پیسے؟‘‘ سائرہ ایک دم گڑبڑائیں۔

’’باجی...... وہ تو بڑے نیک ہیں ہزاروں لوگ ان کے در کے مرید ہیں کوئی تم ایک نہیں ہو ویسے بھی وہ کسی سے کوئی ہدیہ نہیں مانگتے۔‘‘ اس نے منہ بگاڑ کر اپنے بابا کی حمایت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔

’’اصل میں بڑی مشکلوں سے اتنے پیسوں کا انتظام کیا ہے اس لیے پوچھ رہی ہوں۔‘‘ سائرہ نے اب کی دفعہ صاف گوئی اپنائی۔

’’آپ کو کیا کمی ہے۔ ماشاءاللہ بھائی صاحب کے پاس اتنا پیسہ ہے پھر کاہے کی پریشانی؟‘‘ رانی نے سائرہ کا موڈ خراب ہوتے دیکھا تو چاپلوسی سے کام لیا۔

’’تیرا دماغ تو خراب نہیں داماد جی سے تو یہ ساری بات چھپانی ہے اسی لیے تو بیچاری ان کے علم میں لائے بغیر یہاں سے چھپ کر بابا کے پاس جاتی ہے۔ ان حالات میں بھلا پیسے کیسے مانگ سکتی ہے؟‘‘ دلشاد بانو جو ابھی نہا کر باہر نکلی تھیں بالوں کو تولیہ سے جھاڑنے کے ساتھ نوکرانی کو بھی جھاڑ پلائی۔

’’اب یہ باتیں میں کیا جانوں مجھے تو صرف اتنا پتا ہے کہ بابا آپ کے کام کے لیے مؤکل کو بلانے کا خرچہ لے رہے ہیں بس آپ کو اعتماد نہیں تو کام رکوا دیں۔‘‘ رانی نے بظاہر بے اعتنائی سے کہا۔

’’اگر اتنی مجبوری نہ ہوتی تو میں ان عاملوں کے چکر میں پڑتی ہی نہیں۔ خیر تم جا کر ان سے کہنا وہ کام تو شروع کریں اور اپنے عمل سے میرے بچے کا پیچھا اس سفینہ سے چھڑوا دیں۔‘‘ سائرہ نے بیزار ہو کر کہا تو رانی سر ہلاتی ہوئی وہاں سے رفو چکر ہوگئی، اس کے دل میں ڈر پیدا ہوا کہ کہیں باجی اپنا ارادہ نہ بدل ڈالیں اور اس کا کمیشن مارا جائے۔

❁......❁......❁

کتنے دن گزر گئے مگر فائز کا غصہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا، بے چینی حد سے بڑھنے لگی تو وہ بائیک کی چابی اٹھا کر باہر نکل گیا۔ بہت دیر تک وہ یونہی سڑکوں پہ بے مقصد آوارہ گردی کرتا رہا۔ اس کے انگلینڈ جانے والا معاملہ بھی فی الحال التواء میں پڑا ہوا تھا، اگر دوست کے پاس سے کوئی جواب آ جاتا تو وہ سب کو چھوڑ چھاڑ کر باہر ہی نکل جاتا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو بائیک روکی اور اپنا سیل فون نکال کر سفینہ کا نمبر ملایا۔

’’سفینہ! پلیز فون پک کرو۔‘‘ وہ بڑبڑایا مسلسل بیل جا رہی تھی مگر کال پک نہیں کی گئی۔

’’اگر چچی جان نے فون اٹھا لیا تو کیا بہانہ بناؤں گا۔‘‘ یہ سوچتے ہوئے فائز کے دل کی دھڑکنوں میں تیزی آ گئی۔

’’ہیلو......!‘‘ سفینہ کا دکھی لہجہ اور بھیگی آواز اس کے دل کو چیر گئی۔ اس نے ضبط کی حدوں تک جاتے ہوئے اپنے لب بھینچے۔

’’کیسی ہو؟ دو دن سے کہاں غائب ہو بات کرنا تو دور کی بات یار تمہاری صورت دیکھنے کو بھی ترس گیا ہوں۔‘‘ اس کا لہجہ محبت سے چور تھا۔

’’سمجھنے کی کوشش کریں اس طرح سے فون کر کے میری مشکلوں کو مزید مت بڑھائیں۔‘‘ وہ ایک دم

اکھڑی ہوئی تھی۔
"تمہاری ناراضگی برداشت نہیں ہورہی سفی مان جاؤیار۔" وہ بے بس ہوکر درخواست کرنے لگا۔
"پلیز...... میں نے بڑی ہمت جمع کرتے ہوئے خود پر ضبط کے پہرے بٹھائے ہیں۔" اس بار وہ بے بس ہوکر رودی۔
"سفینہ اپنا فیصلہ بدل دو مجھ سے جدائی سہی نہیں جارہی۔ میں تمہارے بغیر نہیں جی سکتا۔" فائز نے تڑپ کر التجا کی لہجے میں بے بسی کی کیفیت نمایاں تھی۔
"نہیں اب کچھ نہیں ہوسکتا' میں نے اٹل فیصلہ کرلیا ہے۔ تائی اماں کی باتوں سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ ہم کبھی ایک نہیں ہوسکتے۔ ہمارا ساتھ ممکن نہیں ہے آپ سمجھتے کیوں نہیں؟ ایک کی محبت کے پیچھے اتنے لوگوں کی ناراضگی سہنا مشکل امر ہے۔" سفینہ نے خود پر مضبوط کرتے ہوئے جواب دیا۔
"اگر مما نے کچھ برا بھلا بول دیا ہے تو اس میں میرا کیا قصور؟ تم ان کی عادت کو اچھی طرح سے جانتی ہو۔ تم اگر اس ایک بات کو جواز بنا کر مجھے رد کروگی تو یہ میرے ساتھ زیادتی ہوگی۔" اب وہ تھوڑا مشتعل ہوکر اس پہ برس پڑا۔
"مجھے اس بارے میں مزید کچھ نہیں سننا۔" سفینہ اس کے یوں طیش میں آنے پہ ایک پل کو خائف ہوئی پھر دل کڑا کرکے نروٹھے لہجے میں بات کرنا چاہی۔
"سفی یہ فیصلہ کرکے تم میرے ساتھ ساتھ خود پہ بھی ظلم کروگی۔ یہ مخالفت میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی کیوں یہ سارے ہمارے اپنے ہیں اور ہم دونوں سے بہت پیار کرتے ہیں۔ وہ زیادہ دن تک ناراض نہیں رہ سکتے۔ ابھی حالات بھلے ہمارے خلاف ہوں مگر ایک نہ ایک دن سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔ مجھے بھی صحیح وقت کا انتظار ہے۔ تم بس مجھ پہ اعتبار کرو۔" وہ دھیرے دھیرے اسے سمجھانے کی کوشش کرتا رہا۔
"میں فون رکھ رہی ہوں۔" سفینہ نے قطعیت سے کہا اس بار نہ جانے کیوں وہ اتنی ضدی ہوگئی اس کی نہ ہاں میں نہیں بدلی۔
وہ اسے سمجھا سمجھا کر تھک گیا تھا لیکن سفینہ کچھ سننے اور سمجھنے کو تیار نہ ہوئی۔ اس کے انکار اور ضد نے فائز کو اس حد تک زچ کردیا کہ وہ ایک دم سے مشتعل ہوگیا۔
"سفینہ...... جسٹ شٹ اپ تم فون رکھ کر دیکھو۔" فائز بائیک کو ٹھوکر مار کر چلایا، غصے سے اس کی آواز پھٹ گئی۔ غم و غصے کی شدید لہر نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔
"اگر میں نے فون رکھ دیا تو؟" سفینہ نے چڑ کر پوچھا۔
"تو......" وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے ایک دم سوچ میں پڑ گیا۔
"کیا کریں گے بولیں۔" سفینہ کا انداز چڑانے والا ہوا۔
"میں پوری رات اس کڑکتی سردی کے باوجود لان میں دھرنا دوں گا۔" وہ ایک دم بچوں کی طرح بولا، سفینہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
اس نے سیل فون کو دیکھا اور لائن کاٹ دی۔ دونوں طرف خاموشی چھا گئی۔ اب ایک دوسرے سے مخاطب نہ ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے حال سے باخبر تھے۔ علیحدگی اختیار کرنا کوئی کار آسان نہیں۔

❁......❁......❁

وہ پردے برابر کرنے کے ارادے سے کھڑکی کی جانب بڑھی اسے لان میں کوئی ہیولا سا محسوس ہوا جھانک کر دیکھا

تو فائز گھاس پر لیٹا دکھائی دیا۔ اس کے دل پر جیسے گھونسا پڑا، منہ سے ایک آہ سی نکلی۔ اس کا نازک اندام وجود اضطراب میں مبتلا ہوگیا۔

"فائز مجھے اذیت دینے کے لیے جان بوجھ کر ایسا کررہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں میں انہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی......" سفینہ نے اپنی کنپٹیاں دونوں ہاتھوں سے دبائیں۔

"میں کیا کروں فائز کو چھوڑنا آسان کام نہیں۔" اس نے دوبارہ کھڑکی سے نیچے جھانکا وہ لان میں ایک ہی جگہ پر بیٹھا ہوا تھا۔

"میری باتوں کے جواب میں انہوں نے خاموش احتجاج کا ایک نیا طریقہ ڈھونڈ نکالا ہے۔" سفینہ نے بے چین ہوکر اسے دیکھ کر سوچا۔

فائز بلو جینز اور فان ہاف سلیوز کی ٹی شرٹ پہنے ہوا تھا۔ اس کا سردی سے بری طرح سے ٹھٹھرنا سفینہ نے اپنے گرم کمرے میں بھی محسوس کیا اور ایک جھرجھری سی لی۔

"نرمی، پھولوں اور خوش بو کے بغیر تو جینا آسان ہے مگر فائز کے بناء جینا ہرگز نہیں۔" سفینہ کے بے رونق چہرے پر محبت کا نور پھیلتا چلا گیا۔ وہ ایک دم اتنی خوب صورت لگنے لگی کہ فائز نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو اتنی دور سے بھی اس کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔

"اتنی ٹھنڈ میں تو صبح تک آپ کی قلفی جم جائے گی۔" ایک بار پھر اس نے بڑی یاس سے نیچے دیکھا اور قدرے جھک کر فائز سے کہا مگر آواز اس تک نہ پہنچ سکی ہوا کے دوش پر کہیں کھوگئی۔ لان کی سرسبز گھاس پر وہ چت لیٹا ہوا اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ سفینہ نے وہاں سے اٹھنے کا اشارہ بھی کیا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا اور ضدی بنا پڑا رہا۔

"کیا ہماری زندگی یونہی روٹھنے منانے میں گزر جائے گی۔" سفینہ نے اپنی ہچکیاں سینے میں گھونٹتے ہوئے سوچا اس کا ضبط جواب دینے لگا اور پھر وہ مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر پہلے سے بھی زیادہ آہستگی اور احتیاط کے ساتھ اپنا ٹیڈی اٹھا کر باہر نکل آئی۔ سیڑھیاں اتر کر لان کی جانب بڑھی۔ ہر سو خاموشی چھائی ہوئی تھی سب اپنے اپنے کمروں میں خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے۔ اس نے شکر ادا کیا۔ فائز نے نگاہ اٹھا کر دیکھا، وہ سرخ اور سیاہ امتزاج کے لباس میں اپنا لمبا سیاہ دوپٹہ گھسیٹتی ہوئی اس کے قریب پہنچ کر بے ساختہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔

"یہ کیا حرکت ہے ہاں۔" اس نے اپنی پھولی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے ٹیڈی سے اس کی پٹائی شروع کردی۔ وہ ایک دم ہنسا تو سفینہ بھی اپنے سیاہ بالوں کو چہرے سے ایک طرف ہٹاتے ہوئے مسکرادی۔ فائز کی محبت اس کی ناراضگی پر بھاری پڑی جب ہی وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر یہاں چلی آئی۔

"شاید بدلی سے چاند نکلنا اسی کو کہتے ہیں۔" وہ کھوسا گیا اونچے درختوں سے چھن کر آتی ہوئی چاندنی نے سفینہ کے وجود کو جیسے بقعہ نور بنادیا تھا بل کھاتی لٹیں، سنہری آنکھوں کا جادو، گلابی لبوں کا کپکپانا فائز نے خود پر قابو پانے کے لیے اُس کا شیفون کا دوپٹہ اپنے چہرے پر اوڑھ لیا۔

"چلیں اٹھ جائیں کیا رات بھر ایسے ہی پڑے رہنے کا ارادہ ہے؟" سفینہ نے تھوڑی دیر بعد اپنا دوپٹہ کھینچا۔

جانے کیا ہوا سفینہ کا دل فائز کا ہاتھ تھام کر جی بھر کے رونے کو بے قرار ہوگیا مگر وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزرتی چلی گئی۔ اس بار لگتا تھا آنسوؤں نے بھی بہنے سے انکار کردینا ہے ایک وحشت سی تھی جو پورے وجود پر چھاتی چلی گئی۔

"اف کہیں بیمار نہ ہوجائیں۔" اب منانے کی باری سفینہ کی تھی، وہ جان کر منہ بنا کر لیٹا رہا۔

"تم اس وقت یہاں کیوں آئی ہو؟ جاکر آرام سے سوجاتی۔" فائز نے تھوڑی سی ناراضگی دکھائی۔ اس کا زندگی دینے

والا، ہاتھوں کا لمس، دل کے زخموں پر مرہم لگا۔

"ہا......ہا......" سفینہ کی خوش بو کا احساس فائز کے اردگرد پھیلتا چلا گیا، اس کا منتشر ہوتا ذہن پرسکون ہونے لگا۔

"فائز اگر کسی نے ہم دونوں کو اتنی رات کو ایسے لان میں بیٹھا دیکھ لیا تو صبح تک ایک نیا طوفان خان ہاؤس کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔" سفینہ نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا اور پیار سے سمجھانا چاہا۔

"اوکے میں جا رہی ہوں۔" وہ کھڑی ہوگئی اور اس کے مضبوط شانے پر نزاکت سے انگلی چھو کر دھمکی دی۔

"سنو! ایک بات مانو گی۔" فائز نے سرخ ہوتی آنکھوں سے کچھ لمحے اپنی محبت کو دیکھا پھر مزے سے سوال کیا۔

"ہاں بولیں۔" سفینہ نے سعادت مندی سے سر ہلایا۔

"یہاں میرے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جاؤ نا بہت اچھا لگ رہا ہے۔ رات کی خوب صورت تنہائی صرف تم اور میں۔" فائز نے بڑی لگاوٹ سے اس کا مرمریں ہاتھ تھام کر بچوں کی طرح فرمائش کی۔ وہ منع کرنا چاہ رہی تھی پھر اس کے خوبرو چہرے پر نگاہ ڈالی جہاں اشتیاق کا ایک جہاں آباد نظر آیا اب دل توڑنا مشکل ہوگیا۔

"صرف دس منٹ اوکے۔" سفینہ نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے لہراتے ہوئے وارننگ دی اور بناء ناز نخرے دکھائے، وہیں گیلی گھاس پر بیٹھ گئی۔

کتنے دنوں بعد انہوں نے اتنے سکون سے ایک ساتھ ہوا کی تازگی اپنے اندر اترتی محسوس کی۔ سر اونچا کر کے خنک دھندلے آسمان کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھا۔ فضاؤں پر اندھیرے اجالے کی ملی جلی کیفیت طاری تھی' آسمان پر کہیں کہیں اکا دکا ٹمٹماتے تاروں کو دونوں نے ایک ساتھ گردن اٹھا کر دیکھا۔ مسرت اور آسودگی کا احساس ان دونوں کے وجود پر حاوی ہوگیا۔ کچھ دیر کے لیے ہی سہی نگران کا وجود بھی سکون کا گہوارہ بن گیا۔

چائے کا پانی لینے لگا تو سائرہ نے اس میں ناپ کر چمچی سے پتی کی مخصوص مقدار ڈالی اور ابال آنے پر ڈھک کر تاب بند کردی۔ اب وہ دوسری طرف متوجہ تھیں، ہنڈیا سے چھن چھن کی آواز آنے لگی مسالہ بھننے پر آگیا تھا انہوں نے تھوڑا پانی ڈال کر آنچ ہلکی کی۔ چائے کی خوش بو اور مسالے کی تیز مہک ایک ساتھ کچن کی فضاؤں میں پھیل اٹھی۔ سائرہ نے چائے پینے کے بعد قیمہ کی بالز بنانے کا ارادہ کیا اسی لیے کوفتہ کا قیمہ فریج سے نکال کر باہر رکھا۔ دراصل آج وہ بیٹے کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے نرگسی کوفتوں کا سالن اور مٹر پلاؤ پکا رہی تھی، کل رات ہی ماں بیٹے کی ایک بار پھر جھڑپ ہوئی تھی۔ فائز ماں کو اس شادی کے لیے منانا چاہ رہا تھا مگر انہوں نے اس کی ایک سن کر نہیں دی، آخر وہ ناراض ہوکر گھر سے باہر چلا گیا۔

سائرہ اس کے انتظار میں جاگتی رہیں، جناب کی رات گئے واپسی ہوئی تب بھی منہ پھولا رہا رات کا کھانا بھی نہیں کھایا اور صبح ان کے اٹھنے سے پہلے ہی گھر سے نکل گیا۔ وہ اس کی خاموشی کے آگے جیسے ہارنے سی لگیں کچھ بھی سہی سائرہ تھی تو ایک ماں ہی نا۔ بیٹے کی اس حالت پر دل دکھنے لگا مگر دوسری طرف سوچتی تو غصہ عود آتا وہ خود اپنی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھیں۔

"میں سفینہ کا نام سننے کو تیار نہیں ہوں اور صاحب زادے کو دنیا میں اس کے سوا کوئی دوسرا نام بھاتا ہی نہیں۔" انہوں نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بے خیالی میں بڑے والے مگ کو گرما گرم چائے سے لبالب بھرلیا۔

"اگر واقعی ابا جان اپنی کہی ہوئی بات کو سچ کر دکھانے کے لیے اس شادی پر اڑ گئے اور ان دونوں کا جلد ہی نکاح پڑھوا دیا تو میرا کیا بنے گا؟ ریحانہ تو پوری برادری میں ناک اونچی کر کے فخر سے ناچتی پھرے گی اور یہ فائز جو پہلے ہی اس لڑکی

نور الھدیٰ مغل

تمام ریڈرز، رائٹرز اینڈ آنچل اسٹاف کو نہایت ادب واحترام سے پیار بھرا السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! ہاں جی میرا نام تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں 14 نومبر 2000ء فجر کے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتیں، برکتیں اترتے وقت ہم بھی اپنے والدین، اہل وعیال کے لیے رحمت بن کر اس دنیا میں تشریف فرما ہوئے۔ اس لحاظ سے ہمارا اسٹار عقرب ہے اس اسٹار کی تمام خوبیاں اور خامیاں مجھ میں موجود ہیں۔ ہم اللہ کے فضل وکرم سے چھ بھائی اور چار بہنیں ہیں اور میرا نمبر سب سے لاسٹ میں آتا ہے سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے گھر بھر کی لاڈلی ہوں، سب سے ناز نخرے اٹھوانا اور سب سے اپنی فرمائشیں پوری کروانا بہت اچھا لگتا ہے۔ کھانے میں چائینیز اور چکن کڑھائی بہت پسند ہے لباس میں فراک چوڑی دار پاجامہ اور بڑا سا آنچل بے حد پسند ہے۔ موسم بہار کا، پھول موتیا اور گلاب پسند ہے، بقول بہنوں کے خوبیاں ڈھونڈنے سے نہیں ملتیں مجھ میں ہاں خامیاں بہت ہیں جس میں سرفہرست نماز پابندی سے نہ پڑھنا اور اسکول کی چھٹیاں کرنا بے وقت کا سونا شامل ہیں۔ جلد خفا ہو جانا پھر جلدی مان جانا، خفا ہو کر کمبل منہ پر تانے گھنٹوں لیٹے رہنا، خاص طور پر غصہ اس وقت آتا ہے جب ڈائجسٹ آئے اور بڑی بہنوں کے پڑھنے کے بعد مجھے لاسٹ میں پڑھنے کو ملے۔ میری خواہش ہے کہ میں اردو ادب میں ماسٹرز کروں اور ایک اچھی اور بہترین لکھاریوں کی فہرست میں شامل ہو جاؤں، میرا تعارف کیسا لگا اپنی رائے سے ضرور آگاہ کیجیے گا۔ ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ اجازت دیجیے، فی امان اللہ۔

کے دام میں گرفتار ہے ماں کو بھول بھال جورو کا غلام بن جائے گا؟'' سوالات کا ایک بہاؤ سا تھا جس میں وہ بہتی چلی گئی مگر جواب کون دیتا پھر ایک حل سوجھا۔

''میں ایک بار ابا جان سے بات تو کر کے دیکھوں گی شاید وہ مان جائیں۔'' سائرہ نے خود کو تسلی دی۔ دل کو تھوڑا اطمینان ہوا تو کیبنٹ سے اپنے پسند کا بسکٹ کا پیکٹ نکالا۔ وہ بھی صبح ڈھنگ سے ناشتہ نہیں کر پائیں تھیں ہر نوالے پر بیٹے کا خیال آتا رہا۔ پیکٹ کھول کر ابھی پہلا بسکٹ منہ میں رکھا ہی تھا کہ بیل بڑی زور سے بجی۔ انہوں نے کچن کی کھڑکی سے جھانک کر گیٹ کی طرف دیکھا تھا جو سامنے سے باآسانی دکھائی دیتا تھا۔

''اس وقت کون آگیا؟'' سائرہ نے خود کلامی کی بیل اب بھی بج رہی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی اطلاعی گھنٹی پر ہاتھ رکھ کر بھول گیا ہو۔

''کہیں ابا جان تو مرزا صاحب کے گھر سے نہیں لوٹ آئے؟'' سائرہ نے گھبرا کر چائے کا مگ سائیڈ میں رکھ کر سوچا۔

''نہیں وہ بھلا اتنی جلدی کہاں آنے والے ہیں جب بھی اپنے دوست کی طرف جاتے ہیں دو تین گھنٹے گزار کر آتے ہیں۔ ویسے بھی سب کی طرح ان کے پاس بھی تو مین ڈور کے آٹو میٹک لاک کی چابی ہے۔ اگر آگئے ہوتے تو چابی سے گیٹ کھول کر اندر آجاتے۔'' ایسی بدتہذیبی سے بیل نہیں بجاتے رہتے یہ تو کوئی ریحانہ کا میکے والا لگ رہا ہے، ان لوگوں کو ہی تمیز نہیں۔'' وہ جو سسر کا سوچ کر تھوڑا تشویش میں مبتلا ہوئی، کاندھے اچکا کر دوبارہ اپنی چائے کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ بیل ایک بار پھر زور سے بجنے لگی ان کا منہ بن گیا۔

''ہم کوئی سب کے نوکر ہیں جو دوڑ دوڑ کر دروازہ کھولتے رہیں، ان مہارانی کے تو مزے ہیں خود تو اوپر شفٹ ہو گئی، ہمیں نیچے ہر چیز کا نگراں بنا دیا، پانی کی موٹر چلاؤ، میٹر چیک کراؤ، چندہ مانگنے والوں کو بھگتو، فقیروں سے نمٹو اونہہ۔'' سائرہ نے جل کر اوپر والی منزل کو گھورا اور کاندھے اچکا کر بسکٹ کترنے لگیں۔ اتنے میں ریحانہ تیز تیز سیڑھیاں اتر

کر دروازے کی جانب بڑھیں۔

سفینہ نے ماں کی طرف عجیب انداز میں دیکھا ریحانہ نے سہارا دے کر اس کو بیڈ پر لٹایا، وہ چپ چاپ بستر پر چت لیٹ گئی۔ ریحانہ کے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اچانک سفینہ کو ہوا کیا ہے۔

"سفینہ! آنکھیں کھولو بیٹا! کچھ تو بولو۔" ریحانہ بیٹی پر جھکی اسے بار بار پکار رہی تھی۔ ریحانہ نے بیٹی کی بند آنکھیں' کانپتے ہوئے ہونٹوں اور پھڑکتی ہوئی کنپٹیوں کو بڑی اچنتی نظر سے دیکھا اور پریشانی سے اپنا ہاتھ اس کے ماتھے پر رکھ دیا۔ سفینہ کا ماتھا جل رہا تھا' اس کا سارا جسم بخار کی تیز حدت سے آگ بنا ہوا تھا۔ صبح وہ اچھی بھلی کالج گئی مگر دوپہر میں واپس آئی تو اس کی عجیب سی حالت ہو رہی تھی۔

"امی......امی......وہ......میرے پیچھے لگ گیا تھا۔" سفینہ سر ادھر ادھر پٹختے ہوئے بڑبڑائی۔

"بیٹا! ذرا حوصلہ پکڑ' مجھے بتاؤ تو کیا ہوا ہے' کون پیچھے پڑ گیا تھا؟" ریحانہ نے اس کی آگ ہوتی پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھا اور جھک کر دلاسہ دینا چاہا۔

ماں کی آواز پر اس نے سر ہلایا کوشش کے باوجود آنکھیں نہیں کھول پائی۔ اسے محسوس ہوا جیسے' پلکیں ایک دم بھاری بوجھ تلے دب گئی ہوں سر میں الگ ٹیسیں اٹھ رہی تھی۔

"سفینہ بیٹا! یہ ایک گھونٹ پانی کا پی لو۔" ریحانہ نے اس کا سر اونچا کر کے پانی پلانے کی کوشش کی مگر وہ باچھوں سے بہتا ہوا اس کی قمیص کو تر کر گیا۔ ریحانہ بیٹی کی حالت پر ایک دم زور زور سے رونے لگی۔

سفینہ کا اپنے اوپر سے جیسے اختیار ختم ہو گیا تھا، نہ خود کا ہوش تھا نہ ماں کے رونے دھونے کا۔ ایسی حالت میں وہی خوف ناک منظر آنکھوں کے سامنے آ رہا تھا۔ جب وہ اپنے گھر کی سنسان گلی میں داخل ہوئی۔ ایک کتا سامنے سے نمودار ہوا، اس کی سرخ لٹکتی زبان اور زرد چمکتی آنکھیں، وہ تیزی سے سفینہ کی جانب لپکا، اس کا دل ایک دم سکڑا، یوں لگا جیسے وہ اپنے بڑے بڑے دانتوں سے اسے بھنبھوڑ ڈالے گا۔

"یا اللہ مدد یہ کیسی بلا میرے پیچھے پڑ گئی۔" وہ زیر لب دعا پڑھتی ہوئی خوف زدہ ہو کر وہاں سے سرپٹ بھاگی، ایسا لگا جیسے وہ جانور بھی اس کے پیچھے بھاگا ہو، اس نے اپنے پیچھے باقاعدہ بھونکنے کی کریہہ آواز سنی۔

"میرے مالک! مجھے بچالے۔" اس نے دل ہی دل میں اپنے رب کو پکارا۔ بھاگتے ہوئے تو ایک لمحہ تو ایسا آیا جب اسے محسوس ہوا کہ اب وہ اس کتے کے نوکیلے دانتوں کی زد پر ہو مگر شکر ہے وہ گھر کے دروازے تک جا پہنچی۔ اس کی سانس بری طرح سے پھول رہی تھی، ایک منٹ ٹھہر کر اسے بحال کیا اور دوسرے ہی لمحے بیل پر انگلی رکھ دی اس وقت تک نہ ہٹائی جب تک ماں نے دروازہ نہیں کھولا۔ اندر قدم رکھتے ہوئے ڈرتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا مگر کوئی نہ تھا، گلی معمول کے مطابق سنسان اور پرسکون دکھائی دی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)